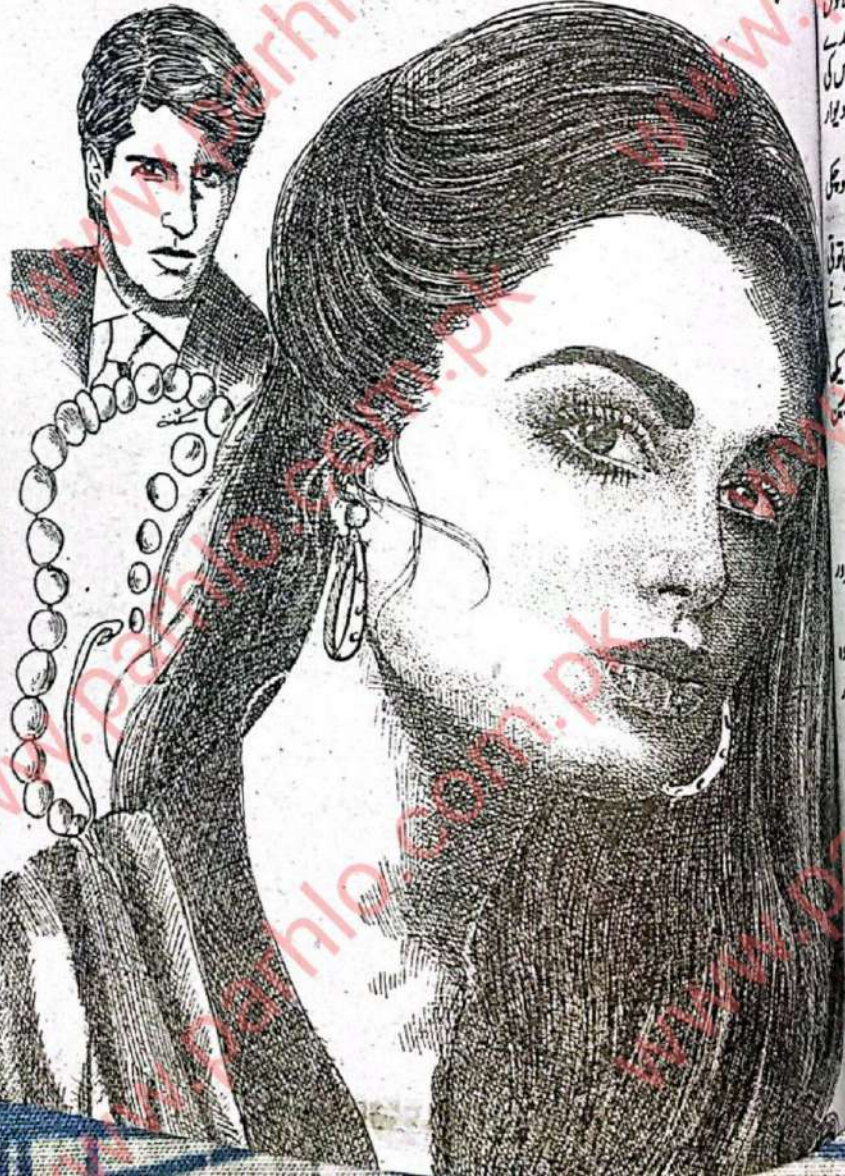


گتھو اور دل و چکاں گم

آدمی رات کا سال تھا۔ پورا گاؤں تلہ یک اور خاموش تھا۔ تب ہی اونچے چوہاروں اور چوڑے دالوں والی حویلی میں ایک ساتھ لگی چٹخیں گونج اٹھیں۔ سات ماہ کی حاملہ عورت نئے سرزئی چادر کو سنبھالتی برآمدہ پار کر لی حویلی کے گیٹ کا رخ کرتی ہے۔ بڑے چوہدری عین اس کی ناک کی سیدھ میں بندوق کی نالی اس کی جانب کے کھڑے ہوتے ہیں کہ اچانک ایک بچی نہیں سے بھاگی ہوئی آتی ہے اور اس عورت کے آگے دوپٹا بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ عورت نے ہراساں ہو کر بچی کو برے دھکیلا جا یا کہ ایک فائر وارم دیا گیا۔ ہاجرہ کی دو بیٹیاں ہیں۔ زمین ایک اسکول میں پڑھاتی ہے اور چھوٹی زوہا جو ایک حادثے میں معذور ہو چکی ہے۔ بچے کی کی کے باعث اس کے علاج میں مشکلات درپیش ہیں۔ شہر کے نوائی گاؤں میں پرانی طرز پر بنی حویلی چوہدری شہاب الدین راؤ کی ہے جن کا کسی زمانے میں قوی بولتا تھا۔ وہ نہایت سخت گیر مشہور تھے۔ لیکن قانچ کے شدید حملے کے باعث ان کی جگہ ان کے بیٹے حیات راؤ نے سنبھال لی تھی۔ ان کی بیوی کشوری بی بی ابھی حصلت کی خاتون تھیں۔ نوروہر جن مہریار کو زمین داری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنی فیلڈ کا جانا مانا نام تھا۔ شہریار بھی بھائی کی دیکھ دیکھی پڑھائی کی غرض سے شہر گیا تھا تو بار آور اور کوٹھی پڑھنے کے لیے حیات راؤ نے شہر بھیج دیا۔ حیات راؤ کی بہن نمرہ راؤ جو انگلینڈ میں رکتی ہیں، اسکاوی کی کی وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹے زارون پاکستان بھیج دیا تھا۔ یہ پانچوں شہر میں حیات سیشن میں تانی بیاری کی نگرانی میں رہتے تھے۔ چاروں پر مہریار کا بہت رعب تھا۔ لیکن اس کی غیر موجودگی میں وہ مگر میں طوقان بچائے رکھتے تھے۔ چہار باغ حویلی میں قاسم راؤ اپنی بیوی شہری تیکم اور بیٹے شہرور کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کا بیٹا شہرور بہت معذور اور مدحزاج ہے۔ اس کی شادی شہری تیکم اپنی بھانجی وریشہ سے کر چکا ہے۔ زمین موبائل پر ہاجرہ سے بات کرتی تیزی سے پبلک لائبریری کی بیڑھیاں جڑھ رہی ہوتی ہے کہ وہ موبائل پر بات کرتے مہریار سے نگرانی ہے۔ دونوں کے ہاتھ سے موبائل گر جاتے ہیں۔ زمین موبائل اٹھا کر اس کو کھولتی ہوئی چلی جاتی ہے لیکن وہ غلطی سے مہریار کا موبائل اٹھاتی ہے جس کا علم اس کو کھینچ کر ہوتا ہے۔ تانی بیاری کی داغ میں تکلیف ہوتی ہے وہ ڈیٹل کلیک چاروں کے ساتھ جاتی ہیں وہاں ان کو زمین نظر آتی ہے تانی یک نگ اس کو دیکھتی ہیں۔ ہاجرہ پر ان کی نظر نہیں پڑتی ہے۔ شہریار کو ہاجرہ کا چہرہ مانوس سا لگتا ہے۔ آجی رباب ہاجرہ کی جاننے والی ہیں وہ اپنے شوہر کے اسٹوڈنٹ کے پاس زوہا کے علاج کے سلسلے میں زمین کو لے کر جاتی ہیں۔ زمین مہریار کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ اور اس سے اپنا موبائل مانگتی ہے۔ مہریار اس کو موبائل دیتا ہے یہ کہہ کر کہ پرانا موبائل نوٹ گیا ہے۔ زمین پریشان ہوتی ہے کہ اس میں اس کی تصاویر اور سارا ڈیٹا تھا۔

شہرور کو جس لڑکی کی تلاش ہے وہ اس کو ایک سیمینار میں نظر آتی ہے جس میں اسکول اور کالج کے اساتذہ اور

طلباء شرکت کر رہے تھے۔ شہرور کو دیکھ کر وہ لڑکی وہاں سے بھاگ جاتی ہے۔ چوہدری حیات راؤ شہر جا رہے ہوتے ہیں کہ ان کی گاڑی کے سامنے زمین آ جاتی ہے۔ وہ اسے اس کے گھر پہنچانے کا کہتے ہیں لیکن راستے میں پہلے مہریار سے ملنے اس کے ہاتھ چل جاتے ہیں۔ مہریار کے کمرے میں زمین کو اچانک ہاجرہ کا فون آتا ہے کہ زوہا کی حالت خراب ہے۔ مہریار زمین کے ساتھ اس کے گھر پہنچتا ہے تو اس کی ملاقات ہاجرہ اور زوہا سے ہوتی ہے۔ وہ اسید دلاتا ہے کہ آپریشن کے بعد زوہا ان شاء اللہ مکمل ٹھیک ہو جائے گی۔ زوہا کو شاپنگ مال دیکھنے کا بہت شوق تھا وہ زمین اور ہاجرہ سے ضد کر کے مال جاتی ہے۔ وہاں ایک سیلر گر اوپٹ فور پر جاتے ہوئے گر جاتی ہے اور اس کی اسپینل میریڈج ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا بچ ہو جاتی ہے۔



رباب آنٹی زمین کو کنگ مال کی ایک شاپ میں جاب دلوادیتی ہیں۔ جو اسے اچھی تنخواہ پر رکھتے ہیں۔ ہاجرہ زوہا کی ادویات لینے ایک میڈیکل شاپ پر جاتی ہیں وہاں ان کا کراؤ شہر یار سے ہوتا ہے۔ شہر یار ان کا چہرہ جانا پہچانا لگتا ہے۔ وہ ان کا بچھا کرتا ہے اور ان کا گھر دیکھ لیتا ہے۔ ہاجرہ کو معلوم ہو جاتا ہے اور گھر اجالی ہیں۔

شہر وکی سکرٹری شہر وکونون کر کے اطلاع دیتی ہے۔ کہ جس لڑکی کو وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ لڑکی جہاں جاب کرتی ہے اس اسکول کا پتہ لگ گیا ہے۔ وہاں کی پریل کہتی ہیں۔ جس نام کی لڑکی کو آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ یہاں جاب نہیں کرتی لیکن ہمارے پاس اس نام سے ملتی جلتی یہ ایک لڑکی زمین جاب کرتی تھی جس نے اب رخصت کر دیا ہے اور اس نے اپنے گھر کا ایڈریس غلط لکھوایا ہوا تھا۔

زمین کے پاس فون آتا ہے کہ اسے تلاش کرنے والے جلد اس تک پہنچنے والے ہیں۔ اس کے اسکول تک رسائی ہو چکی ہے۔

شہر یار بیگم چوہدری قاسم سے کہتی ہیں کہ ان کا بیٹا اسے ڈھونڈ بیٹھا ہے۔

چوہدری شہاب الدین حیات راؤ کے پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ آفتاب انہیں مارنے آیا ہے اور آفتاب انہوں نے نہیں مارا۔

شہر یار بیگم رات میں کوکٹری میں آتی ہیں جہاں ایک شخص قید ہے۔ کمرے میں واپس آ کر وہ چمت گھورنے لگتی ہیں۔ چمت کی کڑیاں ماضی سے جڑنے لگی ہیں۔

کتورہ رانی، خاتم اور شہر یار بیگم کی سہیلیاں ہیں۔

”حوالی کھان“ کے اندر چار حویلیاں ہیں جو چوہدری شجاعت نے بنوائی تھیں۔

چوہدری شجاعت کی چار اولادیں ہیں۔ سمن بیٹے شہاب الدین، مہتاب راؤ، آفتاب راؤ اور بیٹی قدیرہ راؤ۔ شہاب الدین کے سمن بچے ہیں۔ حیات راؤ حسنا راؤ اور بیٹی نرہ، شہاب الدین کی بیوی سیکندرا اور اور بیٹہ خاتون ہیں۔

مہتاب راؤ کا انتقال ہو چکا ہے ایک سٹنٹ میں ان کا ایک بیٹا قاسم راؤ ہے۔

آفتاب راؤ چوہدری شجاعت کے دوسرے نکاح سے ہے اس کی دو بیٹیاں ہیں کشور اور خاتم۔ رقیہ بے بد لکھنؤ خاتون ہیں۔ ان کی بیٹی خاتم سارے خاندان کی لاڈلی ہے۔

شہاب الدین نے اپنی سوتیلی ماں کو بیڑھیوں سے دھکا دیا تھا جس کے باعث وہ انتقال کر گئی تھیں یہ راز صرف چوہدری شجاعت کو معلوم تھا۔

وقت بیتا گیا اور بچے بڑے ہو گئے۔

شہاب الدین اور مہتاب آفتاب کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن بڑی چوہدری کو آفتاب اپنی سگی اولاد سے بہہ کر عزیز تھا۔

حیات راؤ اپنے چچا آفتاب کی بیٹی کشور کو پسند کرتا ہے۔ وہ شہر سے چھٹیوں میں گھر آتا ہے تو نہر پر رانی، خاتم اور کشور سے ملاقات ہوتی ہے۔

فائزہ خا کوئی کی کنگ مال میں شاپ ہے جہاں رباب زمین کو جاب پر رکھواتی ہیں۔ ان کی ایک بیٹی لائبہ ہے جو شہر وکے آفس میں سکرٹری کی جاب کرتی۔

لائبہ فائزہ خا کوئی سے کہتی ہے کہ عرصہ ہوا اس نے اپنے حق کے لیے جگ شروع کر دی ہے اور وہ اب کبھی

بچے نہیں بنے گی۔

شہر یار اور زارون یونی سے پیدل گھر کی طرف آرہے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں لائبہ ان کو اپنے گھر میں بلا لیتی ہے۔

شہر وک چوہدری قاسم اور شہر یار بیگم سے کہتا ہے کہ جسے وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ مل گئی ہے۔ بس اب اس تک رسائی کرنی ہے۔

سبع و عریض محن میں چاروں گھروں کے افراد خانہ جمع تھے۔ وہاں زمین کے مسئلے پر بحثوا ہو رہا ہے۔ زمین چوہدری شجاعت آفتاب کے نام کر کے گئے تھے لیکن شہاب آفتاب پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ زمین ان کے نام کر دی جائے۔ آفتاب کے انکار کرنے پر بحثوا بڑھتا ہے۔

ان کے نام کر دی جانے کے دوران کلائی میں پیتا سونے کا ٹکڑا لڑکی کلائی میں پیتا دیتی ہیں۔

حیدر شہر یار کو حویلی میں لے آتی ہیں۔

چھٹی قسط

بچے لیکے ان کے والدین سے جیسے یہاں زندگی بھری تھی۔ لیکن پھر سارا ماحول جیسے خاموشی کی قبر میں جا سوا تھا۔ جمو لے ساکت اور دیو بکل سو گز خام ہو چکے تھے۔ جگہ جگہ استادہ محقق کارٹون کرکٹرز بے بڑے بڑے رات اور دھند کے پس منظر میں عجیب بیت ناگ دکھائی دیتے تھے۔ اکا دکا نوڈ پوائنٹس ٹپٹے دکھائی دے رہے تھے لیکن گاہکوں کا رش نہیں تھا۔ لوگ گھروں کو جا چکے تھے۔ سب کے ٹھکانے تھے جہاں ان کی چھوٹی چھوٹی دنیا میں آباد تھیں۔

لیکن ایک شخص دھندلی سڑک کے کنارے بیٹھا پر خاموش ناگ بیٹا نگ رکھے یوں بیٹھا تھا کہ اس پر جی کسی کیلے کا گمان ہوتا تھا۔ لائک کوٹ کے اوپر بیٹھ اپنے اور گلے میں مگر لپٹے وہ اپنے لائک بوٹ کی چمک پر نگاہیں مرکوز کیے ہوا تھا۔ چہرے پر نہ کوئی تاثر تھا نہ احساس، بے حد ساٹ چہرہ اس کی آنکھوں سے لگا نہیں کھاتا تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں بے حد سرفی تھی اور وہ بیگم کی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ میں ایک ڈھالی ف کی اسٹیک قاسم کی تھی جس کی مسلسل ہلکی ضرب وہ اپنے گلے پر دے دوسری ناگ کے پیچھے پڑتا تھا۔ ایک غیر ارادی

نوٹی ہے میری نیند مگر تم کو اس سے کیا بچ رہیں ہواؤں سے در، تم کو اس سے کیا تم موج موج مثل صبا کھو جتے رہو کٹ جائیں میری سوچ کے پر، تم کو اس سے کیا اوروں کا ہاتھ تھامو، انہیں راستہ دکھاؤ میں بھول جاؤں اپنا ہی گھر، تم کو اس سے کیا کر گزیر پا کو برسنے سے کیا غرض سمنی میں بن نہ پائے گھر، تم کو اس سے کیا لے جائیں مجھ کو مال غنیمت کے ساتھ عدو تم نے تو ڈال دی ہے پیر، تم کو اس سے کیا تم نے تو تھک کے دشت میں نیے لگا لیے تھاکے کسی کا سفر، تم کو اس سے کیا (پروین شاہ)

ٹھنڈی گیلی سیاہ سڑک اس وقت رات کی تاریکی اور دھند میں بیٹھ بے حد جاڑ دکھائی دے رہی تھی۔ ہر لمبے سرکتا تاریکی اور دھند کو مزید دینے کرتا جا رہا تھا۔ یہ کیلیفورنیا کی ایک قدرے سنسان سڑک تھی جہاں لینڈ سے فصل تھی۔ رات کے ڈیڑھ بجے کا تھا۔ لوگ اپنے لینڈ سنسان پڑا تھا۔ چند گھنٹے پہلے راتوں میں ڈوبا، تھپتھپوں اور چکاروں سے اٹا تھا۔ ہاتھ دوڑتے اور سمن مانی کرتے بچوں اور ان کے

فضل تھا جو ادا ہو رہا تھا وہ نا جانے کب تک بیٹھا رہتا جب قریب سے سنیں بائیں پہ پی نما لوٹے ہوئے ہونگے کرتے زن سے گزرے۔

بہلی بار اس کے بے تاثر چہرے پہ ناگواری کی لہر جاگی اور جیسے چہرے کی برف چمکی۔ وہ ٹانگ سے ٹانگ اتارتا ایک جھکے سے سیدھا کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں تھامی اسٹیک کو انگلیوں میں ہلکا سا گھمایا اور ٹانگ کی سیدھ میں اسی جانب چل دیا جس طرف وہ لڑکے گئے تھے۔ ایک چھوٹا سا کتا اس کا بھی تھا جہاں وہ محض رات گزارنے جاتا تھا۔ ورنہ دن تو کیسے گزر جاتا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ ایک طویل مدت ہو چکی تھی اسے مسافر ہوئے۔ حوروں کے آٹے اب اس سے مانوس ہو چکے تھے۔ وہ یونہی اپنی زندگی تمام کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی واپس پلٹ کے دیکھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ واپس پلٹنے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں لیکن وہ پتھر ہو کے یہاں آیا تھا اور اب پلٹتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتا!

☆☆☆

بہلی کی خشکی لیے رات بھیک رہی تھی اور آج وہ بلا مقصد گاڑی کھارہا تھا۔ زن کے گھر سے نکلے اسے دو گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی بتا کی وجہ کے سڑکیں ناپے۔ لوگ اسے ایسی ہی ایک مین کہہ کر بلاتے تھے اور وہ بلاشبہ تھا بھی۔ اس نے مکمل سلا کے ہنسا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سدا سے ایسا نہیں تھا لیکن جب سے تھا تب سے اس نے خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ایک فیروزہ تھا جو اس کے لڑکپن کا تھا۔ تب وہ اچانک آگہی کی منزلیں ایک حسرت میں طے کرتا نفرت جیسے جذبے میں ملوث ہو گیا تھا۔ پھر غلاف بھی اتر گیا تھا۔ اس نے بھی زندگی جینے کی شعوری کوشش کی تھی مگر یہ مدت بہت تھوڑی سی تھی۔ ایک حادثہ دوبارہ ہے اسے اسی تابوت میں بند کر گیا جس سے باہر وہ روشنی کے خوف سے آتا ہی نہیں تھا۔ وہ سامنا ہی نہیں کرنا چاہتا تھا رشتوں کا اور ان سے

جڑی حقیقتوں کا۔ اور آج زندگی اسے ایسے موڑ رہی تھی جہاں اسے پرانے بچے کو لے کر سب بڑھتا آسان نہیں تھا۔ کئی بار اس نے سوچا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں لیکن جو اس کی شخصیت پر لگاؤ تھا چھوڑ لی تھی۔ وہ بھینک تھی اور انہی سے انہی سے اختیار کرتا آیا تھا!

ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کے ڈرائیور تھے اس نے اپنے لیے کافی آرڈر کی اور ایک قورس سٹائن سڑک کے کنارے گاڑی روک کے کھانا چھوڑنے سب لپٹا زن اور ہاجرہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ آج تھی ہی دیر ہاجرہ اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ اس کا چہرہ اتنی عقیدت اور احترام سے دیکھتی تھیں کہ وہ شرمندہ ہو جاتا تھا۔ اسے کئی بار ان کی نگاہیں کچھ کھینچتی تھیں۔ وہ اس کے نقش ٹوٹی تھیں اور اس کے دیکھنے پر نگاہ چرائیں۔ کتنی بار وہ اس سے کچھ پوچھتے پوچھتے خاموش ہو جاتیں۔ ان کے لب پھڑپھڑاتے اور پھر ساکت ہو جاتے۔

زن اس دوران مسلسل آس پاس منڈلا رہی تھی۔ وہ اس کی بے چینی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ باتوں باتوں میں اس نے جان لیا تھا کہ انہی تک انہوں نے اگلی بار ہنس گاہ نہیں ڈھونڈی تھی۔ زن نے رباب آگہی کے سامنے محض اسے ٹالنے کی غرض سے جھوٹ بولا تھا۔ جاتے ہوئے وہ ہاجرہ کو تسلی دے کر آیا تھا کہ وہ خود قاتلہ خا کوئی سے بات کرے گا، اگر ان کی انیکسی خالی ہوئی تو وہ شفت ہونے میں مدد کرے گا۔ زن کو پچھنے لگ گئے۔ "ہٹا کے کچھ کہنا چاہتی تھی جب اس نے بے مددگی اسے جھڑک دیا۔

"بھئی انسان کی عقل ہوتا ہی کام کرنا چاہیے۔ تمہارا کام بس اتنا ہے کہ طریقے سے جب تک مجبوری ہے تو کوری کرو اور تاک کی سیدھ میں گر واپس آ جایا کرو۔ اس کے بعد کی سب فکریں تم تم پالو۔ ان کے لیے دوسروں کی عقل پر بھروسہ کرو۔

بھیں!" وہ کہہ کر رکنا نہیں تھا۔ لاؤنج سے نکل کر برآمدہ عبور کرنا تیک کی جانب جا رہا تھا جب زن تن تنہا کر لی اس کے پیچھے گئی۔ ہاجرہ کے منع کرنے کے باوجود وہ نہیں رکی۔

"آج مجھے آپ بتا ہی دیں کہ مجھ پر کس حیثیت سے رعب جھاڑتے ہیں۔ آخر میرا اور آپ کا رشتہ ہی کیا ہے۔ میں کیوں بلاوجہ آپ کے پریشانی آؤں۔ ڈاکٹر ہیں بس علاج سے مطلب رہیں، یہ مفت کی تعلق داری کیوں بھمارہے ہیں؟" وہ دروازے سے سر جھکا کر باہر نکل رہا تھا لیکن زن کی بلا ٹکان چلتی زبان نے اسے روک لیا۔ اس نے ہنکارا بھر کے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ مسلسل دیکھا اور اتنا بغور دیکھا کہ زن بری طرح شیشائی ہاتھوں سے پتروں کی ناویدہ سلوشیں جھاڑیں اور دوپٹا درست کیا۔ کبھی تاک کی نوک کو شہادت کی انگلی سے چھوا۔ مہربان مسکرا دیا۔

"ایک گہری نگاہ تمہارے ہاتھوں کے توتے اڑا سکتی ہے۔ زمانہ تو اس سے بہت گھاگ ہے۔ جب تک تم نے بھالیں تو سو بھالیں اب خود کو حالات کے حوالے کرو۔ وقت اور حالات بہت جلد سب کی حیثیت کا تسن کر دیں گے۔ اور اب دروازہ بند کر کے اندر جا کے باقی کا ٹھہ لیتا۔ یہاں ہاتھ کانپ رہے ہیں تمہارے۔ چلنا ہوں!"

اور زن نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو وہ سچ میں ہلکا رہے تھے۔ وہ واقعی اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مہربان باہر نکل گیا تو اس نے دروازہ مارنے والے انداز میں بند کیا تھا۔

کافی کا بھاپ اڑاتا تاک اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ مسلسل زن اور ہاجرہ کے متعلق سوچتا خود کو انتہائی قدم کے لیے تیار کر رہا تھا۔ زن کو مدد کی ضرورت تھی۔ وہ جتنی بھی بہادر بنتی لیکن ایک پوائنٹ پر آ کر وہ پسا ہو جاتی تھی۔ وہ سہارا تلاش کرتی تھی۔ اور مہربان چاہتا تھا کہ اب کی بار اسے آسرا ڈھونڈنا نہ

بڑے بلکہ اس کے پاس ہمہ وقت ایسا کوئی موجود ہو جس پہ وہ مکمل بھروسہ کر سکے اور مکمل اختیار سونپ سکے۔

اس نے کافی کا کب احتیاط سے کب ہولڈر میں رکھا اور ہاتھ میں موبائل تھام کر اس کی سیاہ اسکرین کو گھورنے لگا۔ کچھ سوچ کر اس نے ایک لمبا سانس خارج کیا اور کال ملا دی۔ دوسری طرف تیل جاری ہوئی تھی اور اس کے دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔ اس کی ساتیس مکمل چوک ہوئی بس دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز کی خطر تھیں اور جیسے ہی کال پک ہوئی اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آپ کی ضرورت ہے۔ وہیں جہاں آپ کو ہونا چاہیے تھا ہمیشہ سے!"

☆☆☆

شہر بہت جلدی آفس پہنچا تھا۔ جوش اس کے ہر ہر اعزاز سے عیاں تھا۔ وہ کتنے دنوں کے لیے شہر آیا تھا خود بھی نہیں جانتا تھا لیکن یہ بات پتی تھی کہ اب کی بار خالی ہاتھ واپس نہیں ہوئی اس کی۔ جس کے لیے اسنے سالوں سے سڑکیں ناپ رہا تھا اسے لے کر جانے گا۔ وہ اپنا کوٹ اتار کر بیٹ کی پشت پہ ڈال کر پیکس ساسر فیک کر بیٹھ گیا۔ کرے شرت کا اوپری مین کھلا تھا اور اس کی سرخ و سفید رنگت آج مزید چمک رہی تھی۔ بہلی بڑی شیو اور مٹنی موچھوں تلے عتالی لیوں کی تراش میں بڑی دلچسپ مسکراہٹ تھی۔ ہلکے سنہرے بال ٹھوڑے سے مانتے تھے۔ مگرے تھے اور عقب میں گلاس وال سے آئی دھوپ کی روشنی میں بے حد دلکش لگ رہے تھے۔ اگر عورت اور سکر کو چوہدری شہر و راؤ کی ذات سے نکال دیا جاتا تو وہ کسی لڑکی کا بھی خواب ہو سکتا تھا۔ ذرا سی دائیں بائیں کر سی گھماتے وہ اس دلشیں بیکر کے بارے

میں سوچنے لگا جسے اس نے جوان ہونے تک بارہا سوچا تھا۔ زندگی میں جب جو چاہا تھا پایا تھا تو اب وہ بھلا کیسے اسے چھوڑ دیتا جسے بچپن سے چاہتا آیا تھا۔ وہ ہنسی عمر کا خواب بھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے لیکن پھر بھی اس کے لیے پاگل تھا تو محض اس لیے کہ اسے خود سے منسوب ہر چیز اپنی دسترس میں رکھنے کی عادت تھی۔

"وہ تم سے بھی منسوب نہیں تھی شہزادہ راؤ۔ تم زبردستی خود سے اسے منسوب کرتے ہو!"

کوئی اس کے کان میں بدبایا تھا۔ وہ چونک کے سیدھا ہوا۔ بلا وجہ تھنے پھڑپھڑائے۔ پلٹ کر گلاس وال کی جانب رخ پھیرا اور دونوں کہنیاں ٹھنوں پہ نکا کر وہ باہر کا منظر دیکھتے ہوئے خود سے ہم کلام ہوا۔

"زبردستی ہی کسی لیکن میری ہے۔ اور جب میری ہے تو میرے ساتھ ہی جائے گی۔ اور اب میں اسے وقت دے رہا ہوں نا۔ ورنہ کیا مجھے مشکل تھا کہ ابھی جاتا اور اسے اس کے گھر سے نکال کر حویلی لے جاتا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ سکون اور سلی سے اس سے میری جملی ملاقات ہو۔ میں اسے ڈرانا نہیں چاہتا۔ جیسے وہ بچپن میں مجھ سے کھیلا پسند کرتی تھی اور کسی کے ساتھ بھی نہیں کھیلتی تھی ویسے ہی چاہتا ہوں وہ اب بھی بس مجھ پر اعتبار کرے!"

وہ شاید اپنے سیر کو سلی دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے خوف زدہ کرنے کی حد تک تنگ کرتا رہا ہے لیکن اس دفعہ وہ طریقے سے اس تک جانے کا خواہش تھا۔ اس کے گھر کا مکمل پتا اس کے پاس موجود تھا۔ لیکن اب وہ اس کے گھر پر دھاوا بولنے کی بجائے مہمان کے طور پر جانا چاہتا تھا۔ گزشتہ تمام عرصے میں اس کی جانب سے ہوئی تلاش کے نتیجے میں جس طرح اسے ٹھکانے بدلنے پڑے تھے، اب کی بار ایسا نہ ہو۔ درحقیقت وہ اسے فرار ہی کا تو موقع دیتا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر اپنے پی اے کو کال ملائی۔ دوسری طرف سے کال اٹھاتے ہی

وہ ٹیک لگا گیا اور سکون سے مخاطب ہوا۔

"ہاں نصیر۔ تیاری مکمل ہے؟ بس کل شام کو چلنا ہے۔ آج کا دن میں ضروری کام نمٹاؤں گا اور فارم ہاؤس کا چکر لگاؤں گا۔ پہلے وہیں لے کر جاؤں گا۔ وہاں سے گاؤں۔ تم نے فارم ہاؤس کی مسائل وغیرہ کروادی تھی نا؟"

نصیر کا سلی بخش جواب موصول ہونے کے بعد وہ کھل کر مسکرایا۔ نگاہوں کی چمک نکسریزدہ تھی۔ کال بند کر کے چند میل وہ آنکھیں موندے کچھ سوچتا رہا اور پھر دوبارہ کسی کو کال ملائی۔

"ہیلو۔ ہاں لائیہ۔ آفس پہنچو جلدی۔ کچھ ضروری کام ہے اور گھر افتادہ کر دو کہ تم اگلے دو دنوں دن کے لیے آفس کے کام سے میرے ساتھ آؤ گے آف انٹیشن چل رہی ہو۔"

وہ ایک لمبی کو خاموش ہوا تھا شاید لائیہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اس نے سٹیل سے کوئی فائل اٹھائی۔ ایک دو صفحات پلٹے اور پرے کھسکاتے ہوئے بولا۔

"مجھے تمہیں اسے ساتھ فارم ہاؤس لے کر جانا ہے، وہاں تمہیں میری گیسٹ کو کھینچی دینی ہے۔ کچھ رہی ہوتا۔ نم۔ ٹائلس۔ ایم ویننگ!"

وہ کال بند کر گیا اور موبائل ٹیبل پر رکھ کر وہاں گلاس وال کی جانب منہ پھیر کر کرسی ہو لے ہوئے کھمانے لگا۔ سب کچھ مکمل تھا۔ وہ اس بار مکمل اطمینان اور پورے پلان سے چل رہا تھا۔ وہ لائیہ کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتا تھا تا کہ زمین کو گھبراہٹ نہ ہو۔ وہ خود کو تنہا اور غیر محفوظ محسوس نہ کرے۔ لیکن قدرت کسی کے پلانز کے حساب سے نہیں چلتی۔ اس کا اندازہ اسے غریب ہونے والا تھا۔

☆☆☆

آج اتوار تھا۔ قانزہ خاکوانی اس وقت کچن میں موجود تھیں۔ صبح کے آٹھ بجے کا وقت ہو گا جب لائیہ جاگنگ سوٹ پہنے بالوں کی اوچی سی پونی کے سامنے کی طرف سے بالوں کو بیڈ سے سمیٹے، کانوں میں ہینڈ فری ڈالے بیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔

مج خیر تھی۔ چھٹی والے دن بھی وہ اسی روشنی میں اٹھی تھی۔ ایک گھنٹہ وہ ایک سرسبز کو لازمی دیتی تھی۔ اس نے اوپر والے پورشن کے ایک حصے کو سبز اور پھولدار پودوں سے سجا رکھا تھا۔ وہیں ایک جانب ٹریل مل اور ایک سرسبز میٹ بچھا ہوا تھا جہاں وہ ورزش کرتی تھی۔ اور اب وہ قانزہ ہو کر ناشتے کے لیے نچے آئی تھی۔ کرسی کھینچ کر بیٹھنے کے بعد اس نے موبائل کی اسکرولنگ شروع کر دی تھی۔ قانزہ خاکوانی نے اسے گھور کر دیکھا اور جوں کا گلاس اس کے آگے کیا لیکن اس کا مکمل دھیان فون کی جانب تھا۔ قانزہ نے جڑ کر اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹا اور ہینڈ فری نوچے۔ لائیہ نے آنکھیں میچ کر خود کو پرسکون کیا اور نروٹھے اعزاز میں ماں کی جانب دیکھا۔ کچھ ورزش کیا وجہ سے چہرہ شہما رہا تھا کچھ وہ قدرتی سرخ و سفید تھی۔ اوچی پونی میں تھا سے تاثرات کے ساتھ وہ قانزہ خاکوانی کو بو بہو اپنے باب کی کارین کا پی لگی۔ وہی مٹھنہ، وہی نقوش اور ان میں حمدی نخوت۔

قانزہ نے اس سے نگاہیں چرا لیں اور خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"ماں کو گھور لیا ہو تو ناشتا کر لو مہارانی۔ باقی کا دن اسی ڈھول کو بیٹھا ہے!" ان کا اشارہ سلی فون کی جانب تھا۔

"ماما ایک دن ملتا ہے بس چھٹی کا۔ اس دن کو تو مرضی سے گزار لینے دیا کریں۔ لیکن نہیں۔ بالکل ساسوں جیسا رویہ ہو جاتا ہے آپ کا مجھ سے۔" سلاکس پہ کھنکھاتے ہوئے وہ نیم کھلی سے بولی تو قانزہ دھیما سا مسکرا کر سر جھٹک گئیں۔

"میں کیوں بنوں گی بھلا ساس؟ لیکن کسی نہ کسی نے تو بننا ہے نا، اس لیے تمہیں تھوڑا انسان بنانا چاہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کوئی یہ کہہ کہ تم بالکل اپنے باپ پر مبنی ہو!" سلاکس سے لہجہ میں کہہ کر انہوں نے ڈیل روٹی کے سلاکس کا لقمہ لیا۔

"ماما.....!" لائیہ سہیسا پکاری۔ "کیا ماما نہیں

ہوں میں اپنے باپ جیسی۔ کیوں مجھے ریلیٹ کرتی ہیں اس شخص سے جو ہماری زندگیوں میں کہیں نہیں ہے۔"

"اچھا اگر نہیں ہے تو کیوں شہزادہ۔ ان کی بات ادھوری رہ گئی گی کیونکہ لائیہ کے موبائل پر کال آنے لگی تھی۔

"لیکن شیطان کا نام لینے کی تمہیں اور اسی نے کال کر دی۔" لائیہ شرارت سے ماں کو دیکھتی ٹیکن سے ہاتھ صاف کرتی بولی۔

"بھونکے۔ شرم کرو اسے شیطان بولتی ہو۔ خود کی حرکتیں دیکھی ہیں گی! قانزہ نے تادیبی نگاہیں اس پر گاڑتے ہوئے کہا۔ لائیہ نے انگلی کے اشارے سے بعد میں بات کرنے کا کہا اور کال پک کی۔

"جی سر السلام علیکم۔ جی سر میں ٹھیک۔ جی۔"

وہ بول رہی تھی اور قانزہ مکمل توجہ سے اسی کو سن رہی تھیں۔ جس کے چہرے پر اب ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

"لیکن سر! میری مدد شاید نہ مانیں۔ مجھے ان سے....."

وہ کہتی کتنی پھر چپ ہوئی۔ اور اب کی بار وہ خاموشی سے بات سنی رہی۔ کال بند کر کے اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ قانزہ بری طرح پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا ہے لائیہ۔ وہ ٹھیک تو ہے نا۔ ایسے کیوں بیٹھ گئی ہو۔ بولو گی!"

"ماما وہ ٹھیک ہے بالکل۔ آپ کو اس کی گھر لگ گئی ہے۔ لیکن وہ جو کرنے جا رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے....."

"لائیہ مجھ سے تھکر کھا لو گی اب۔ جلدی بناؤ کیا ہوا ہے۔ میرا دل بٹھ رہا ہے۔"

"آپ کی دکر ہے ایک زمین۔ انھیں ابھی اس کے گھر چلیں۔" وہ کھڑی ہوئی۔

"کیوں لیکن۔ ایسے کیسے!"

قائزہ کھڑی ہوتے ہوئے بری طرح پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"تم کیسے جانتی ہو زمین کو؟ وہ تو بہت اچھی اور پیاری بچی ہے؟"

لائبہ دونوں ہتھیلیاں میز کی سطح پر رکھ کر لہجہ چاری سے ماں کو دیکھتی سوچ رہی تھی کہ کدھر سے بتائے اور کیا اس سے شروع کرے۔ قائزہ خاکوانی ایک گہرا سانس بھر کر کرسی سے واپس ٹپک لگا کر بیٹھ گئیں اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میرا کھڑوس باس اسی پیاری بچی کے پیچھے پڑا ہے ماما۔" وہ دانت چبائی بولی۔ "رہیں بتائی ہوں!"

کچھ سوچ کر اس نے پوری بات ماں کو بتانے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی اس معاملے میں انہیں اعتماد میں لینا از حد ضروری تھا۔

"میرا اول درجے کا کمینہ باس۔ ایک نمبر کا دو نمبر۔"

"لائبہ۔" قائزہ نے چڑ کر نوکا۔ "اصل بات پر آؤ۔ مجھ سے اسٹریس برداشت نہیں ہوتا لائبہ!"

"میری بات آرام سے سنیں۔ ہمیں فی الحال زمین کے گھر جانا ہے اور اسے اس کی پہلی سمیت ہماری انیسویں میں شفٹ کرنا ہے ماما۔ کیونکہ۔"

اور اس نے ہر وہ بات جو اس مہم میں اسے معلوم تھی ماں کے گوش گزار کر دی۔ قائزہ خاکوانی نے دکھ اور اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔ جیسے جیسے وہ سنتی جا رہی تھی ان کی آنکھیں بھیکتی جا رہی تھیں۔ لائبہ نے ان کے دونوں ہاتھ ارادنا تمام رکھے تھے کیونکہ ماں کی حساسیت سے وہ بخوبی واقف تھی۔

"اب آپ کیا کہتی ہیں۔ کیا فوری طور پر اسے اس مصیبت سے نکالنا نہیں چاہیے ماما ہمیں؟"

ساری بات کہہ چکنے کے بعد وہ رساں سے ماں سے پوچھ رہی تھی جنہوں نے اپنا ایک ہاتھ اس

کے ہاتھ سے نکال کر نیل پر رکھے ٹٹو باکس سے ایک ٹٹو نکالا اور اپنی آنکھوں کی ٹیغاست سے صاف کر لی۔

"ماما۔ یہ وقت دیکھی ہونے یا پریشان ہونے کا نہیں ہے۔ شہر و سر کی کسی بھی حرکت پر ہم کھرمواز نہیں کریں گے۔ اسے کسی کی زندگی سے بچانے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو تب بھی اس کی ایسی کی تھی۔ میں دیکھتی ہوں کیسے کرتا ہے وہ یہ شادی!"

اس کا جارحانہ انداز دیکھ کر قائزہ افسردگی سے مسکرائیں۔ ان کا دلکش چہرہ یکدم مگرھا سا گیا تھا۔

"ہم بھلا کس حق سے اسے روک سکتے ہیں لائبہ۔ ہمارا لگنا ہی کیا ہے وہ!"

"یہ تو وقت بتائے گا ماما، کون کس کا کھل لگا ہے۔ لیکن میں اس پر جو حق رکھتی ہوں اس سے بھی بھی دستبردار نہیں ہوں گی۔ اب انیس جلدی۔ اس سے پہلے کہ وہ کھڑوس مجھے کال کرے دوبارہ ہمیں زمین کے گھر پہنچنا ہے اور اس کی پہلی کو یہاں لانا ہے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرتا ہے!"

"چلو چلیں۔ زمین جتنی سوٹ ہے میں بھی نہیں چاہتی کہ وہ کسی مشکل میں پڑے۔ لیکن پہلے ہم رباب کے ہاں جائیں گے۔ زمین اس سے قریب ہے اور اس افراتفری کی صورت حال کو وہی قابو کر سکتی ہے ورنہ ہم ایک دم جا کر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ چلو سارا سامان سمیٹو اور ہماری انیسویں میں چلو۔ اس لیے رباب کو لینا ضروری ہے۔ میں راستے میں اسے ساری ہوشیاری سے باخبر کر دوں گی۔ تم بانو کو بھوک پیچھے سے دھیان رکھو اور گیٹ نہ کھولے۔"

قائزہ آخر میں اسے ہدایات دیتے ہوئے اندر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور لائبہ جلجت میں گاڑی کی چابیاں ڈھونڈتے ہوئے بانو کو پکارنے لگی۔

☆☆☆

"حیات ولا" میں بقول تانی پیاری "ڈشکروں کی فوج" گھر پر موجود تھی۔ ڈائیننگ ہال کے نیل پہ

چاروں آنے سامنے بیٹھے تھے۔ داور اور یارو بائیں جانب کی کرسیوں پر اور زارون اور شہر یار دائیں جانب ان دونوں کے مقابل۔ ایک دوسرے کو خوں خوار نظروں سے دیکھنے کا سیشن چل رہا تھا۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں ہڑپ کر لینے کا پیغام دیا جا رہا تھا۔ چاروں کے درمیان سرد جنگ کی دن سے جاری تھی۔ شہر یار نے لیکن لگانے والی چھری اٹھائی۔

تو زارون نے کانٹے کو بطور ہتھیار بالکل سیدھ میں بازو کے سامنے کھڑا کر لیا۔ داور نے چچا اٹھایا اور یارو نے نقل کا طعنہ نہ سننے کے لیے پیچھے اور کانٹے کے بجائے تو تھک پکس کی ڈلی سے ایک تو تھک نکالی۔ داور نے کہہ کر دفعتاً اٹھ کے ہاتھ میں پکڑا چچہ زارون کی کاٹا تھا سے بندھ گئی۔ مارا اور سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ زارون لبللا اٹھا اور رو ہٹا ہوتا شہر یار سے بولا۔

"یہ لو۔ دیکھا۔ انجانے میں وار کیا ہے۔ اب میرا بدلہ تم پر واجب ہے شہری۔ یہ کاٹا پکڑو اور ان دونوں کو نوڈل کی طرح لیٹ دو اس پر۔"

"صبر کرو صبر اور دشمنوں پر وار بے خبری میں ہی کرو تو کاری ہوتا ہے۔"

"دشمنی تو آپ نے کی ہے شہری بھیا، ہم دونوں سے۔ کیا تھا جو آپ ہماری شکایت بنا کرتے مہر لالہ؟ آپ کی وجہ سے انہوں نے ہم دونوں کے کالج پکڑ لیا ہے۔ صرف آپ کی وجہ سے۔"

"ہاں تو اچھا کیا نا۔ کرتوتیں معلوم ہو گئی تم دونوں کی سرکاج میں بڑھنے کے بہانے سیاستیں کرتے ہو۔ کبھی سنا ہے کہ میں یا مہر لالہ کسی سیاسی گروپ کا حصہ بنے ہوں۔ اچھا ہوا تم دونوں کے ساتھ۔"

شہر یار اچھل اچھل کے بول رہا تھا۔ ساتھ چھری منسلک لہراتے ہوئے وہ اسے بائیں جانب بیٹھے زارون کی طرف کر دیتا تو وہ فوراً سر نیل کے نیچے گھس لیتا۔ اس کی کم سختی آتے چا نہیں چلتا تھا۔ وہ چاروں ڈائیننگ نیل پر بیٹھے ایک دوسرے

پہ نیل بڑنے کو تیار تھے تب ہی تانی پیاری اور فضلہ ناشتا لیے وہاں داخل ہوئے۔ چاروں نے اپنے اپنے ہتھیار نیچے کیے۔ یارو نے ٹوٹھ یک ابھی تک تمام رکھی کی اور چھوٹنے کے لیے بے چین تھا۔ تانی پیاری آگئی تھیں اس لیے برف دور ہو چکے تھے۔ مایوس نگاہوں میں فضلہ کا محل محل کرتا بیٹ امیر کی کرن بین کے چکا۔ اس کے قریب آتے ہی یارو کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔ فضلہ نے ہاتھ میں ہاف فرائی انڈول کی پلیٹ اور دوسرے میں لیمن کا پلٹر پکڑ رکھا تھا۔ پیچھے تانی پیاری پرانے اور چائے کا قہر ماس لیے ہاتھی ہوئی تھی آری تھیں۔ یارو نے اپنے سر پہ چھوٹے چھوٹے پیٹ میں زور کی ٹوٹھ یک چھوڑ دی۔ جس جیسے کتے کی دم۔ باؤں آنے سے گنا بدک کر اچھلتا ہے بالکل ویسے ہی فضلہ اچھلتا تھا۔ اور ایسا اچھلتا تھا کہ ہاف فرائی انڈول کی پلیٹ چھوٹ کر زارون کے اوپر پڑی تھی۔ وہ لی ٹرٹ کا دامن اٹھا کر دوبارہ عینک صاف کر رہا تھا اور اب اس کے دامن میں انڈے بھرے تھے۔ ہوتی سا وہ اپنی بھولی نیک رہا تھا۔ شہر یار نے دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھ لیے۔ داور اور یارو دونوں اچک اچک کر زارون کی صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ فضلہ بے چاری کی شکل بنا کر لیمن والا پلٹر ہاتھ میں تھا کہ کھڑا تھا۔ تانی پیاری نے قریب آ کر پرانے اور قہر ماس نکل پڑے رکھے اور فضلہ کو گھر کا۔

"یہ بت بین کر کیوں کھڑا ہے کم بخت۔ لیکن رکھ۔ یہاں کیا خور کو لگائے گا؟"

"وہ نالی جی۔ وہ۔" فضلہ گھبرا گیا۔

"ارے ہٹ پرال۔ کیا وہ وہ کر رہا ہے۔ انڈے کدھر ہیں۔؟"

فرانی اٹھنے کی شرت کی جھولی میں کسی خیرات کی طرح لیے بیٹھا تھا اور چہرے پر سکتے کے آثار تھے۔
"ستیاناں جانے تیرا جلیو۔ دفع ہو جا اندر۔
سانہ نہ ہووے تے۔ کوئی کام تیرا ج کاشیں۔ لے
دس پکڑ کے سارا ہی لہو دیا تم لوگوں نے۔"
"ہم نے نہیں کیا مانی۔ جلیو نے اس کی گود
بھرائی کی ہے۔ جلیو نے "شہریار نے ناک سے
کھٹی اڑائی۔

"وے زارون۔ وے منڈیا۔ اٹھ۔ جا جا
کے دھو خود کو۔ اور سن باہر کمرے پہ جا۔ غسل خانے
میں واڑھ نہ کریں!"

"اب کیاں جاؤں گا مانی! زارون کی گھٹی
گھٹی آواز ابھری۔ "میری گود بھر گئی اور مجھے خبر بھی
نہ ہوئی۔ امی نے پوچھا اس کے ہیں یہ اٹھ۔
کہاں سے آئے ہیں یہ اٹھ تو کیا کہوں گا۔ مانی
میں کیا منہ دکھاؤں گا!"

زارون ہوتی بین سے بولتا جا رہا تھا اور شہریار
سمیت داور اور یاور کے قہقہے چھت بھاڑتے باہر
آئے۔ فضلہ نے بھی ہنسی نکالی اور شرما کے بولا۔

"زارون یا۔ میرا نام لے دیتا۔ میں یہ الزام
اپنے سر لیتا ہوں۔"

تینوں میز بجا بجا کے بنے اور پستے ہوئے ایک
دوہرے سے گرنے لگے۔ مانی پیاری بات سمجھنے کی
کوشش میں تھیں۔

"دیکھو مگر نہ جانا جلیو۔ ورنہ یہ دنیا مجھے جینے
نہیں دے گی۔ میں اس پاپی دنیا کا سامنا نہیں کر
پاؤں گا!"

زارون اپنی ٹی شرت کی جھولی پھیلائے ان
اٹھوں کو سنبھالنے ہوئے تھا۔ مانی پیاری کوٹاؤ آیا اور
کھینچ کے چپو زارون کے گال پہ دھری۔

"میں ہوش آئی کہ لاواں اک ہو۔ تک دم ہو
گئی میں تم لوگوں کی حرکتوں سے!"

"کیا مانی۔ اب آپ بھی ہم سے جگ آگئی
ہیں۔ آپ تو ہماری نیم مہر تھیں!" زارون گال پہ

ہاتھ دھرے بولا۔

"کھسمان تو کھا گئی یہ نیم۔ میری تو ٹہنیاں
کھڑک گئی تم چاروں کو سنبھالتے سنبھالتے۔ شہر آئی
تھی کہ کسی طرح کوئی سوا دی لڑکی دیکھ کر مہر کو دیا وہ
راہی کریں گے۔ لیکن وہ منڈا پٹھے پہ ہاتھ دھرے
نہیں دیتا۔ میں تو ٹوکیک ہو ہو گئی اب تو!"

مانی چاری واقعی اکائی ہوئی تھیں۔ فضلہ کو بھی
دوہتر مار کر چٹن میں بیجا تو وہ جاتا ہوا زارون کو دیکھا
چلا گیا۔

"مانی میری کروادیں۔" داور منہ بسور کے لاڈ
سے بولا۔

"کس سے کرا دوں تیری۔ ہوا پھینک کے
جانے گی کیا لڑکی؟"
"نہیں مانی۔ لڑکیاں بہت ہیں۔ گڑیا، مونا
، جیا، قاخرو، ہینہ، ہانیہ۔ جتنی نہیں گی لڑکیاں مل
جائیں گی مانی!"

داور نے جذبات میں کافی لمبی سٹ دے دی
تھی اوز اب سب اس کا مشکوک نگاہوں سے
ایکسرے کر رہے تھے۔

"بے حیا۔ اسلام میں چار کی اجازت ہے۔ تو
ان سب سے کرے گا کیا!" مانی پیاری فکر مند سی
ہوتے ہوئے بولیں۔

"وقفے وقفے سے سب ہی سے کروادیں گے
مانی۔ ایسا بھی کیا اچھا!"

داور کے بجائے جواب مہریار نے دیا تھا۔
دروازے کی چوکت پہ کھڑا سفید کرتا شلوار پہنے۔
کف کھینوں تک فولڈ کرتا وہ سردنگا ہوں سے داور کو

ہی دیکھ رہا تھا۔ داور کی سیٹی کم ہو گئی۔ وہ جبک کر خالی
پلیٹ کا ڈیزائن رتنے لگا۔ مانی تینوں بھی فوراً ناشتے
کی طرف متوجہ ہوئے۔ مانی پیاری نے خفا خفا نظر

مہریار پر ڈالی جو اس نے دیکھ لی۔ وہ ہمہ ساسکرایا اور
چلتا ہوا اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ناگ صاف کرنا آتا نہیں جناب کو اور نکاح
کا کتنا شوق چڑھا ہوا ہے۔ بھی ڈکریوں کی فہرست

توڑی ہے؟

بس سارا دن بیہوش گیاں کروا لو۔ اس دفعہ
اگر تہارا جی پی اے اچھا نہ آیا نہ داور تو گاؤں بھجوا
دوں گا اور ایسا جی سے کہوں گا والی بیٹی کروا میں تم
سے۔ چار دن میں عقل اور شکل سب ٹھکانے لگ
جائے گا۔ سمجھے!"

"سمجھ گیا لالہ!"

"کیا سمجھ گیا؟"
"جی کہ نہ تھیں گے نہ کھینے دیں گے۔ سب
کنوارے مر رہے گے!" داور نے کہا اور اپنی پلیٹ
میں پراٹھا رکھ کر اس کے بڑے بڑے لقمے لیے لگا۔

مہریار نے سر جھکا اور مانی پیاری سے مخاطب ہوا۔
"کیا چل رہا ہے مانی۔ چھٹی کے دن اچھا سا
باشیل جانے گا کیا؟"

وہ فرصت سے ناشتے کی میز پہ نگاہ دوڑاتے
ہوئے بولا۔ کن انھیوں سے مانی پیاری کا روٹھا ہوا
چہرہ بھی دیکھا۔ شہریار نے زارون کو یہاں سے کھینے
کا اشارہ کیا لیکن جواباً اس نے بے بسی سے گود
دکھائی۔

"کون سی فرصت مہر پتر۔ ابھی ہسپتال سے
کال آئے گی اور تو نکل جائے گا۔ تیری تو چھٹی آج
تک نادیمی میں نے!" مانی نے کھستے لہجے میں کہا۔

لیکن پورے انتہاک اور شوق سے پراٹھے اور رات کا
سائن اس کے آگے رکھا تھا۔ ساتھ اچار کا جار بھی
کھسکا یا۔

مہریار نے ایک نظر سارے لوازمات پہ نظر
ڈالی اور پوچھا۔

"اٹھنے نہیں فرانی کیے مانی آپ نے؟ مجھے
تو پراٹھا اٹھانے کے ساتھ لینا تھا!"

"سب کے سب فرانی اٹھ زارون کی گود
میں فلائی کر گئے لالہ!" مانی کے بجائے شہری نے
نوالہ لگتے ہوئے مصروف لہجے میں جواب دیا جیسے
ناشتا کرنے سے زیادہ اہم اس وقت کچھ اور نہیں تھا۔
مہریار نے حیرت اور بے بسی سے زارون کی

مسکین شکل کو دیکھا اور پھر نظر اس کے چہرے سے
پھسلتی گود میں اتری تو وہاں اٹھنے اپنی بے بسی کا
نوحہ بیان کر رہے تھے۔ زارون نے اپنی حالت کی
الٹا کی دکھائی کی خاطر ٹی شرت کا دائیں ٹوکڑا اونچا
کر کے مہریار کی جانب کیا اور لہجے میں حلاوت بھر
کے بولا۔

"مہر لالہ۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرا مت
ہیں تو اٹھائیں۔ ورنہ تو فیک بن چکے!"

اور مہریار کو ایکائی آتے آتے رو گئی۔ ٹیش کی
شدید لہر اس کا وجود بھگو گئی۔ لیکن وہ مہر کے گھونٹ
بھرتا مانی کو بے بسی سے دیکھتا سر ہار کر رہ گیا۔ دونوں
آنکھوں کو جوڑے ان پہ مانی نکالے وہ سوچ رہا تھا
کہ ناشتے کی شروعات کرے کہ اس کے سوا کسی کی بھل
پہ سب نے کھکھ سا ساس لیا تھا کیونکہ جب تک وہ کال
نہیں سنا سب کو ترتیب میں آنے کا تصور اس وقت مل
جاتا۔ مہریار نے کال پک کی اور سواہل کان سے
لگاتے مانی کو ہاتھ کے اشارے سے سک میں جانے
ڈالنے کا کہا۔ مانی پیاری نے سرعت سے چائے
اٹھ لی اور ساتھ شہریار کو ڈاؤن باڈ کر کر کا۔

"وے شہری۔ چک ایتو۔ لے جا یہاں سے۔
اس سے پہلاں کہ سبیل دی (سب کی) منڈ کر دے
مہر!"

مہریار جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور چوٹ
کے قافلے پر خاموشی سے فون سن رہا تھا۔ اس کے
چہرے پہ نظر سا تھا۔ شہریار نے ہنور دیکھ کر کندھے
اچکاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہوئی کسی کی منڈ مانی۔ آپ کا لاڈ لا فون
بند کرے گا۔ پلے گا۔ ہم سب کو کھا جانے والی نظروں
سے دیکھے گا اور بیانا شتا کیے تھیں انھوں نے کل
جانے گا!"

شہریار کی چیخ کو سونلے باقی تینوں کو کلی اعتبار
تھا۔ وہ تینوں مہریار کی جانب کی دی اسکرین کی
طرح یک یک دیکھنے لگے۔ مہریار کال بند کر کے
پلٹا۔ چلتا ہوا میز کے قریب آیا۔ ان چاروں کو کھا

جانے والی نظروں سے دیکھا اور مڑ کر باہر جانے لگا لیکن پھر ٹھٹک کے واپس ہوا اور میز کے قریب آ کر دونوں ہتھیلیاں جما کر شہر یار کو نظروں میں لیتا ہوا بولا۔

"تم لوگوں کے پاس شام تک کا وقت ہے۔ بار بار شاپ پہ جاؤ اور کھنگ کروا کے آؤ ورنہ شام کو میری واپسی پر اگر اسی طرح ملے تو تم لوگوں کی خُش کروادوں گا وہ بھی فضلو سے سمجھے!"

اسنہاک سے ناشتا کرتے شہر یار کے حلق میں نوالہ پھنس گیا۔ باقی خیتوں نے اسے ہاتھ سر پر دھر لیے۔ مہر یار کھسکیں نظروں سے دیکھا وہاں سے چلا گیا۔ تانی بیاری اس کے لیے ڈالی چائے گاگ اپنی طرف کھسکا کے بیٹھ گئیں۔

"اک گل تے جی اے۔ اس منڈے نے گھوڑی نہیں چڑھتا۔ بڑے بڑے ڈھیٹ دیکھے میں لیکن تاجی اپنے مہر پتر سا کوئی ایک نہیں دیکھا۔ جی تو کرتا ہے مہر کے تھیرے پاندھ کے۔"

"پالیا لو تے لا آہو!" وہ چاروں کو برس میں بولے تھے۔ سب کی ہنر اس آہو میں جمع ہو کے نکلی تھی۔ تانی بیاری لا چاری سے انہیں دیکھتے ہوئے نیم گرم چائے کے بڑے بڑے گھنٹ بھرنے لگیں۔

☆☆☆

عجیب سی منظر تھا۔ چھوٹے سے لاؤنج میں وہ دونوں ہوتی ہی کھڑے ہوئے۔ کبھی رباب خان کو دیکھتی تھیں تو کبھی ان کے ہمراہ آئی لائیہ اور قانزہ خاکوانی کو۔

"رباب! اتنی جلدی میں کیسے نکلیں۔ مالک مکان کو کیا کہیں گے اور میرے پاس مکان کا ایڈریس کرایہ دینے کے لیے بھی نہیں ہیں۔ چند دن تو رکھو۔ اور آپ لوگ کھڑی کیوں ہیں؟"

ہاجرہ کو بات کرتے یکدم خیال آیا کہ زمین کی پاس ان کے گھر موجود ہیں اور یہی ملاقات ہے اس لیے ان کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"بیتھیں پلینز۔ پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں۔ زمین تو آپ کی تعریفیں کرتی نہیں تھیں۔ آپ بیٹھیں تو!"

وہ زمین کو ڈھوکا مارتی ہوئی وہاں سے ہٹیں اور صوفوں پہ ایک آدھ کھڑی پڑی چیزیں کھینکیں۔ زمین کے اپنے حواس سلب تھے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ہو کیا رہا ہے۔

وہ دونوں ناشتا کر رہی تھیں جب تل کی آواز پہ ہاجرہ نے گیٹ کھولا تھا۔ اس نے ہاجرہ کے پیچھے رباب آئی اور قانزہ خاکوانی کے ساتھ ایک بیاری سی لڑکی کو اندر آتے دیکھا تو ہاتھ میں تھا تھیرہ وہیں رہ گیا۔ وہ استقبال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن اسے بھائی نہیں دے رہا تھا کہ اپنی پاس کو دیکھ کر وہ کیا روئل دے۔ رباب خان نے اندر داخل ہوتے ہی ہاجرہ کے ہاتھ پیر پھلا دیے۔

"ہاجرہ۔ چار جوڑے پیک کرو اپنے اور زمین کے۔ ضرورت کی چار چیزیں رکھو اور نکلو جلدی۔ زمین کی پاس ہیں۔ قانزہ۔ میری ابھی اور پرانی دوست بھی ہیں۔ ان کی انکسی خالی ہے اور ضرور تا فرشتہ بھی ہے۔ انہیں بھی فوری طور پر اچھے پیچھے گیٹ کی ضرورت تھی تو مجھے خیال آیا کہ اچھا موقع ہے تمہیں وہیں شفٹ کر دوں!"

ہاجرہ اور زمین کی تو جیسے ہوائیاں اڑی تھیں۔ اتنی جلدی بھلا کوئی کیسے شغفنگ کر سکتا ہے۔ لائیہ کن انھیوں سے مسلسل زمین اور گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ مزاج میں بے تکلفی تو ازل سے تھی اس لیے چھوٹی سی تھیل پہناشتے کے احوالے کو ازمات پڑے تھے، وہیں تنگ کے ان کے ساتھ پوری ایمانداری سے انصاف کرنے لگی۔ زمین نے ایک نظر حیرت سے اسے دیکھا ضرور لیکن اس وقت توجہ طلب لائیہ کی بے تکلفی نہیں بلکہ رباب آئی کی افراتفری تھی۔

"رباب! میں سوہا کو کیسے اٹھا سکتی ہوں۔ اس کے لیے مجھے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ وہ تو

بیتھ نہیں لگاتی بیٹھ کر ایک ہونے میں۔ یوں اچانک سے اسے کہا کہ ہم گھر چھوڑ رہے ہیں تو اللہ جانے کیسے ری ایکٹ کرے۔ رک جاؤ۔ ایک دن تو دو گئے!"

ہاجرہ نے بس سی ہوتی بولیں۔ تو رباب خان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"ہاجرہ میں نے کہا ابھی جانا ہے تو اب اس ابھی جانا ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔ بحث میں وقت برباد نہ کرو!"

رباب کا لہجہ جہاں تلخ ہوا تھا وہیں انہوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر ہاجرہ کا ہاتھ ناحسوس انداز میں دبایا تھا۔ اس دیاؤ نے ہاجرہ کے پورے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑا دی۔ لمحے کے غزادیں جھے میں وہ جیسے شند بے بسنے سے نہا نکلیں۔ انہوں نے قانزہ خاکوانی کا چہرہ دیکھا جس پر محض ایک پرسکون اور شانت سی مسکراہٹ تھی۔ رباب خان نے انہیں راستے میں سختی سے تائید کی تھی کہ وہ اس معاملے سے خود کو بالکل ظاہر کریں گی جب تک ہاجرہ ان کے گھر نہیں آ جاتیں۔ قانزہ خاکوانی ہاجرہ کے قریب ہوئیں اور ان کے چہرے کو انہی کے دوٹے کے پلو سے چھپتا کر سہلایا اور کسلی آئینہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"آپ مجھے اپنی دوست سمجھ سکتی ہیں جیسے رباب۔ مہرورہ میں۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔"

ماحول کی یقینی دیکھتے ہوئے لائیہ نے زمین کے اڑی رنگت والے چہرے کو بخور دیکھا اور کھنگار کر اپنی جانب متوجہ کیا تاکہ اس کا دھیان ان تینوں کی باتوں سے ذرا سا ہٹ سکے۔

"ویسے پراٹھے بھی ناشتے میں مڑا دیتے ہیں۔ باما تو مجھے سلاکس پر رٹھا دیتی ہیں۔ آج گرے بعد ایسا ناشتا کیا ہے۔ بانی داوے زمین آپ کا کھانا پیا جاتا کدھر ہے!"

وہ اداؤ اس کی توجہ بھٹکا رہی تھی۔ زمین اس

کو دیکھ کر برفت مسکرائی اور مہمان نوازی کا حق ادا کرنے کے لیے اس کے پاس آ کر اس کے لیے گم میں چائے اٹھانے لگی۔

"آپ کو اچھا لگا ہم غریبوں کا ناشتا، خوشی کی بات ہے۔ چائے بھی لیں۔ اس ناشتے کا جوڑ چائے کے ساتھ ہی بنتا ہے۔"

"آپ بھی لو تاغور! سارا دن سارا ہی ہڑپ کر جاؤں گی میں!"

وہ اسے باتوں میں لگائے ان تینوں خواتین کو کچھ وقت دینا چاہتی تھی۔ دوسری طرف ہاجرہ حلق تر کرتے ہوئے رباب سے پوچھ رہی تھیں۔

"سوہا کا کیا کروں رباب؟ اسے تیار کرنے دو۔ کپڑے بدل دوں بس اس کے!"

"نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ سوہا سیدھا ہاسٹل چائے گی۔ مہر یار نے لائیہ لیس کال کی ہے۔ آئی ہوگی۔ اس کی سرجری ہے اب۔ اور اسے ایک ہفتہ پہلے مہر یار نے ہاسٹل رکھنا ہی تھا سو اچھا ہو جائے گا آج ہی شفٹ ہو جائے گی۔ تم سوہا کے ساتھ ہی جانا، میں زمین کو لے کر قانزہ کے ہاں جاتی ہوں۔ بس اپنا ضروری سامان پیک کر کے زمین کو دے دو وہی لے جائے گی۔ بانی جو کچھ ہے۔ وہ بھی چھ دن تک خاموشی سے اٹھا لیں گے۔ مالک مکان سے راستے میں فون پہ بھی بات ہو سکتی ہے۔ چایاں بڑوں میں دے دو۔ بس۔ اب اس سے ہٹ کے کچھ نہیں۔ نکلے گی کرو۔"

رباب خان نے سارا پروگرام جیسے کسی اسکرپٹ کی طرح ترتیب دے رکھا تھا۔ ہاجرہ اثبات میں سر ہلاتے گردن موڑ کر زمین کو دیکھتے ہوئی بولیں۔

"زمین۔ جلدی بیٹا۔ قنات ایک ہی بیک میں میرا اور اپنا ضروری سامان رکھو۔ ایک چھوٹا بیک سوہا کا ریلڈی کروا بھیجے گی۔"

"اکی! کب تک بھالیں گے ہم۔؟ نکلیں"

نہیں ہیں کیا۔ مجھ سے مت چمپائیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ رباب آنٹی یوں ہی جلدی نہیں چار ہیں۔ لیکن کیا اس بار ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تمک ٹکی ہوں بھانگتے بھاگتے۔"

رباب جو سمجھ رہی تھی کہ اسے پتا کوئی کلیو دیے یہاں سے لے جائیں گی تو وہ غلط تھیں۔ یہ آنکھوں مگر تھا جو گزشتہ کئی سالوں میں ان ماں بیٹیوں کو بدلنا پڑا تھا تو کیا اب زمین اب بھی سمجھ نہیں جاتی کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔

رباب خان نے پیشانی مسلتے ہاجرہ کو اسے قابو کرنے کا اشارہ کیا جسے زمین نظر انداز کرتی قاتلہ خاکوانی سے مخاطب ہوئی۔

"میم۔ آپ سے تو میں نے کبھی ذکر نہیں کیا تھا مکان کے حوالے سے تو اب آجائیک سے آپ کیسے مطلب میں تھیوز ہوں۔ مجھے کچھ کھیر کرنا ہے۔"

"تمہیں میں راستے میں کھیر کر دوں گا۔" لاؤنج کے دروازے سے مہر یار اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ زور سارا "میں" پر تھا۔ کیونکہ تمہارا دماغ ضرورت سے زیادہ چلتا ہے۔ سوہا ہے بعد ایک چھوٹی سی سر جری کی تمہیں بھی ضرورت ہے۔

لائب کے منہ میں چائے کا کھوٹ تھا جو ہنسی کی وجہ سے پھوار کی صورت باہر آتے آتے بچا تھا اور بمشکل نگلنے سے اسے اچھوٹک گیا تھا۔ وہ سب مہر یار کے ساتھ ہی یہاں پہنچے تھے اور لائبہ راستے میں ہی اس ہستی سے متعارف ہوئی تھی۔ مہر یار نے راستے میں ہو بہو زمین کے نیچے الفاظ کوٹ کیے تھے جو ابھی ابھی اس نے کہے تھے۔ اور وہ اس کے اندازے کی درستی پہ ہنسی نہیں روک پائی تھی۔ دلی دلی مسکراہٹ تو بانی سب کے ہونٹوں پہ بھی آ گئی تھی لیکن یہ وقت جلدی کرنے کا تھا۔

زمین کی بوٹی بند ہوئی اور وہ اگلے آدھے گھنٹے میں جیسا کہ کیا تھا ویسا ہی کر کے سنجیدہ تاثرات لیے آچکی تھی۔ ایک چھلانی نظر اس نے

دونوں ہاتھ پشت پہ باندھے کھڑے مہر یار پر ڈال جو فرصت سے دیواروں کی سلیں پہ غور کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں تھامے دو درمیانے ساڑن کے بیک دھپ سے اس کے جھروں کے پاس لائے اور ابروؤں سے اٹھانے کا اشارہ کیا۔ مہر یار نے جواباً ایک آنکھ سیکڑ کے اسے اور پھر سیکڑ کر دیکھا اور پشت سے ایک ہاتھ یوں لہراتا ہوا سامنے لایا جسے بیک پکڑنے لگا ہو لیکن اگلے ہی لمحے وہ اپنے بال سنوارتا بولا۔

"جلدی سے باہر لے آئیں۔ ویٹ کر رہا ہوں۔ زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔ آپ کو ڈراپ کر کے سوہا کے لیے مجھے ہاپٹل بھی جانا ہے۔"

اور خود یہ جاوہ جا۔ زمین سکی اور سخت کے احساس سے کھڑی رہ گئی۔ سوئے اتفاق باقی سب اس وقت سوہا کے پاس اس کے روم میں تھے جس کے لیے باہر ایسیو لیس آچکی تھی۔

"اگر میری یہ ہستی کسی کے سامنے کی ہوتی تا تو آج یہ ڈاکٹر کا کچھ بچا ہو کے جاتا یہاں سے۔ پتا نہیں اس کی بیوی کیسے اسے برداشت کرتی ہوگی!"

اس کے گال جل رہے تھے۔ انہیں تھپتھا کے اس نے بیک اٹھائے اور گاڑی میں رکھنے چلی گئی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ بیک اس کی فحشی گاڑی کی ڈکی میں رکھ کے وہ اسے زور سے بھر پور آواز کے ساتھ بند کرے گی۔

اس کے باہر ٹکٹے ہی عقب سے رباب خان نمودار ہوئی تھیں۔ مسکراہٹ دہانی وہ سننے پہ ہاتھ لپٹے سوچ رہی تھیں کہ مہر یار کو ساتھ لانا کس قدر اچھا ہوا تھا ورنہ اس بلا کو قابو کرنے میں بہت وقت برباد ہوتا۔ سر جھٹکتے ہوئے وہ بچن کی جانب چلی گئیں جہاں کاؤنٹرز پہ پڑا کچھ کھانے پینے کا سامان سیٹا لازم تھا تاکہ ان کی غیر موجودگی میں خراب نہ ہو۔

☆☆☆

حوالی لکھاں جو عرصہ دراز سے ٹکڑوں میں کرکٹ کر رہی حویلی میں تبدیل ہو چکی تھی پچھلے نئی دن سے اداسی کی لپیٹ میں تھی۔ سارا دن حال کے ملازم اندر باہر چکراتے تھے لیکن ایسا لگتا تھا جیسے سوگ کی سی کیفیت ساری حویلی پہ چھائی ہوئی ہے۔ چوہدری شہاب الدین کے منہ سے جس دن سے والد کا نام سنا تھا جیسے جسم سے ساری توانائی اپنے جسم چھوٹی گئی تھی۔ کب کے کھریڈ زودہ زخموں سے دکھ رہے تھے۔ جسمانی سے زیادہ ذہنی اذیت نے انہیں بستر سے لگا دیا تھا۔ ان کا کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے جہازی سائز پنڈ پر سیکڑی کٹنی سی کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھیں۔ قریبی اور بھروسے مند ملازمہ گاہے گاہے آتی تھی اور کھانے پینے کا پوچھ کر چلی جاتی یا ہاتھ پیر دبانے بیٹھ جاتی۔ ان کی چوہدرائیں ایک نیک خصلت عورت تھی اور اس کا یوں پتار اور پتار ہونا سب ہی کے لیے تکلیف دہ تھا۔ کشوری بی بی کی آنکھ کے کنارے سے آنسو نکل کر ان کے ٹکے میں جذب ہوتے دھیرے دھیرے اسے بھگو رہے تھے۔ اسی اثنا میں حیات راؤ اندر داخل ہوئے۔ بیوی کو یوں ملگنی حالت میں دیکھ کر افسردہ ہوئے اور دروازہ بند کرتے ان کے قریب آئے۔ سائڈ ٹیبل پر کھانے پینے کی اشیاء جوں کی توں رکھی تھیں۔ حیات راؤ نے اپنی بیوی پہ محبت کی نگاہ ڈالی اور شرارتانان کے پھروں کے پاس بیٹھ گئے۔ کشور ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھیں۔ پھرے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے وہ شاکی نگاہوں سے خاوند کو دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"آپ کی سر رہتی تھی کیا حیات جی۔ یہ کیا طریقہ ہے بھلا!" نروٹھا لہجہ اور ان کا حیات جی کہنا۔ حیات راؤ کھل کر مسکرائے۔

کشور جب تک حویلی کی بڑی چوہدرائیں نہیں

نئی تھیں تب تک انہیں "حیات جی" کہہ کر بلایا کرتی تھیں اور جب منصب بدلا تو بہت خاص اور کم مواظعوں پر انہیں یوں بلاتی تھیں۔ "تو اور کیا کروں۔ جب بیوی کو میری پروا ہی نہیں ہوگی تو کچھ تو کروں گا نا اس کا دھیان اپنی طرف کرنے کو!" جواباً وہ بھی انہیں کے جیسے جیسے میں بولے۔

"چھوڑیں۔ یہ عمر ہے بھلا لکھی باتوں کی؟" "ارے واہ! میری عمر کو کیا ہوا۔ اب بھی مہر کا بڑا بھائی لگتا ہوں۔ اور یا تو میں جب شرمگنی تھیں تو وہاں کالونی کی عورتیں تھیں اس کی آپا بھی تھیں۔" کشور مسکرا دیں۔

"عورت کو کم عمری میں لپٹی تعریف سب سے زیادہ بھائی ہے۔ ہے نا!"

"مجھے نہیں بھائی۔" "واپس وہی لہجہ اور انداز۔ تاک بھی نزاکت سے سڑکا۔ حیات راؤ کو تیس سال پرانی کشور لگی جو ان سے ذرا ذرا سی بات پر پورے مان اور احتیاق سے روٹھا کرتی تھی۔ انہوں نے بیوی کا ہاتھ تھاما اور مضبوطی سے دبا کر اور دوسرا ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

"بھول جاؤ اب۔ ابائی کا وہ ہم ہے۔ لیکن تم جانے والوں کے لیے زندہ لوگوں کو اذیت تو نہ دونا کشور۔ مجھ سے تمہاری ایسی حالت برداشت نہیں ہوتی!"

ان کا کہنا تھا اور کشور کے آنسو ٹپ ٹپ برسنے لگے۔ حیات راؤ نے محبت سے انہیں صاف کیا تو وہ سکتے ہوئے آگے کو جھک کر اپنا سر ان کے کندھے سے ٹیک لگیں۔ حیات راؤ نے نرمی سے اپنی انگلیوں سے ان کے بالوں کو سہلایا۔ "میرے والد تھے نا وہ۔ ماں تھیں۔ کیسے بھولوں۔ کام کاج میں لگ کر ہر ایک کی یاد سننے میں دبا جاتی ہوں لیکن ابائی کے الفاظ میرا دل چھلک کر گئی ہیں۔ مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ آخر کیوں۔ کیوں وہ ابائی سے خوف زدہ ہیں۔"

کہیں۔ کہیں حیات جی ابا جی..... نے خود تو میرے ابا کو مارا۔
"نہیں ہرگز نہیں۔ باگل ہو کیا۔ وہ بھلا کیسے مار سکتے ہیں۔ ایسا سوچنا بھی مت۔" حیات راؤ سختی سے ان کا فقرہ بھانپ کر انہیں ٹوک گئی۔ کشور نے اپنے سر کوئی میں جھنک دی۔

"جب خالی بیٹھوں تو ذہن کڑیاں جوڑنے لگتا ہے اور جب اماں اور ابا کے ساتھ جیش آنے والا حادثہ یاد آتا ہے تو۔" وہ رکیں اور شوہر کو بھی نگاہوں سے دیکھا۔ حیات راؤ دم سادھے انہیں سن اور دیکھ رہے تھے۔ "تو ایسے لگتا ہے جیسے وہ سب کچھ سازش تھا!"

"بہشت شش۔ کشور خاموش ہو جاؤ۔ اپنے وہم سینے میں دبا دبا بلا جہز زبان یہ لاؤ کی تو بچائی گی ہوا لگ جائے گی انہیں۔ مرنے والے نہیں پلٹتے لیکن زندہ لوگوں کا خمیر اگر مر رہا ہو تو وہ بھی کسی زندہ لاش سے کم نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر کسی کا کچھ کیا دھرا ہے تو اسے اپنی ہی عدالت میں اپنا منصف بننے دو۔ جس زندہ روح میں زیادہ دیر تک جرم کی ٹھنک نہیں سہہ پاتیں اور ایک دن آتا ہے جب وہ دم کھنکے کے خوف سے سب کچھ خود ہی آشکار کر دیتی ہیں۔ تم بھی انتظار کرو اور صبر کرو کیونکہ کچھ رشتے ہمیں ملنا پڑا ہوا ہے۔"

حیات راؤ نے آنرز دی سے انہیں خود سے لگا لیا۔ ایک ممکن زندہ سانس کشور کے لیوں سے آزاد ہوئی جس میں سسکی کی آمیزش تھی۔ حیات راؤ ان کی تکلیف کا بخوبی احساس تھا لیکن وقت نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ پرت در پرت جیسے راز جب تک آشکارا ہو جاتے وہ کسی کو بھی گھبرائے میں کیسے کھڑا کر سکتے تھے۔

"اچھا چلو یوں کرتے ہیں کچھ دن تک شہر چلتے ہیں۔ ذرا اینٹوں سے ٹوک تو طبیعت اچھی ہو جائے گی۔ خالہ پیاری بھی تمہارے لیے بہت اداں ہیں۔"

کشور نیدر می ہوئیں اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسی روشے لہجے میں بولیں۔
"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔ آپ لوگوں سے کہیں آکر مل جائیں مجھ سے۔ مجھے دونوں چھوٹوں کی بہت یاد آ رہی ہے اور ساتھ خالہ پیاری کو بھی لیتے آئیں!"

"اچھا ٹھیک ہے جیسے میری جان کی خوشی۔" کشور ان کے انداز پر سر ہنسیں۔ "بس تم اب ٹھیک ہو جاؤ۔ ملازم بھی بالک کے بنا پریشان ہو جاتے ہیں اور تم تو اس جوہلی کی روح ہو کشور۔ انھو اور جوہلی کو دیکھو۔ مجھے تم اندر باہر آتی جانی نہیں دیکھیں تو وحشت ہوتی ہے۔"

اور کشور بھلا خاندان کی اس قدر محبت پر سرشار کیسے نہ ہوتیں۔ حیات راؤ کے باہر جانے کے بعد وہ بھی اپنا غم پس پشت ڈال کر تازہ دم ہونے کے لیے واشروم چلی گئیں لیکن ان کے بھیکے نیکی کی فضا میں اڑتی ہوئی ماضی کے مرغولے سے جا ملی۔ کوئی پرت اٹھنے کو بھی تاکہ سربستہ رازوں سے پردہ اٹھ سکے!

☆☆☆

سخت ترین جس کے بعد موسم کھلا تھا۔ تیز آنڈمی نے گرمی کا زور توڑا تھا اور اس کے بعد ہونے والی بارش نے فضا کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ تیز بارش اب کن کن میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ دونوں کب سے ایک دوسرے کے بازو میں بازو ڈالے جوہلی کی طویل و عریض چھت پہ چکر کاٹ رہی تھیں۔ بہت کم ہوتا تھا جب وہ چھت پر آیا کرتی تھیں اور ایسا مردوں کی غیر موجودگی میں ممکن ہو پاتا تھا۔ کشور حسب معمول چائے پکڑوں کا اہتمام کرنے کے لیے باورچی خانے میں بھی اور اسے ان دونوں کی جانب سے لاؤ بھر اکھم ہوا تھا کہ ان کے لیے چھت پہ لے آئے، کشور کو بھلا کام سے کب انکار ہوتا تھا۔ راہی نے تیز ہوا سے اڑتا ہلکا گیلادو پٹاگلے سے اتار کر جھکا اور اسے دوبارہ

ابھی طرح اڑھتے ہوئے پر سوج انداز میں خانم سے بولی۔
"خانم۔ ایک بات دیکھی ہے تم نے؟"
خانم نے ذرا سی گرون موڑ کر ابرو اچکا کر راہی کو سوالیہ طرز پر دیکھا۔ وہ جھٹکا سی خیر سے باہر تاجہ نظر آتے کھیتوں کو دیکھ رہی تھی ساتھ یہ نگاہ نگاہ کی نگاہ نہا پڑ جاتے۔

بھی ڈر تھا کہ باہر سے کسی کی نگاہ نہا پڑ جائے۔ یہ جو سنہری ہے۔ عجیب سی نہیں ہے۔ تم نے بھی غور کیا ہے چاروں ہونٹے ہیں اسے آئے لیکن اس نے چاروں جوہلیوں کو اپنی جاگیر سمجھ رکھا ہے جیسے!"

"ہاں۔ عجیبی لی۔" خانم ہلکا سا جوش لے کر تیزی سے اس تک آئی۔ "تمہیں بھی لگتا ہے مجھے بھی بالکل ایسا ہی لگا۔" راہی، میں بھی حیران ہوں کہ یہ کتنی وہ ہے۔ وہ کیا کہتی ہیں چاچی حیدر۔ آپ پوتری۔"

اس کی بات سے بے ساختہ راہی کا ہتھہ نکلا۔ آواز چھت پہ پھیلی تو خانم نے گھبرا کے اپنے ہی دوپٹے کے پلو سے اس کا منہ دیا۔

"مروانا ہے کیا۔ آہستہ ہنس کشور آپا نے خبردار کیا تھا کہ کسی کو پتا نہ چلے کہ ہم چھت پہ ہیں اور تم پورے زمانے کو بتا دو۔"

"تم نے بات ہی ایسی کہی میری ہنسی نکل گئی۔ اچھا چھوڑو۔ ہم کیا بات کر رہے تھے۔" وہ ہنسی روک کر کتنی خیر سے کے ساتھ نئی چھوٹی سی بنی پہ بیٹھ گئی۔

"ہاں یہ سنہری۔ قسم سے خانم مجھے تو اس کا آنا ہی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اور تم نے دیکھا۔ جس دن کی یہ آکر ہے بھی حیات بھیا کے پیچھے پھر رہی ہوئی ہے اور یہی میرے بھائیوں کے۔ اور دیکھو میرے گھر آئی بھی تب سے جب میں یہاں تمہارے پاس ہوئی ہوں۔ اماں کو تو ایک آنکھ نہیں بھائی یہ نہیں۔"

بھگم۔ اور اتنے دن میں بس ایک ہی بار ہماری طرف آئی ہے۔ حالانکہ کشور آپا نے کتنی بار بلایا ہے!"

"مجھے تو اس کا کشور آپا کو نہ بھاڑ کر نام سے بلانا ہی نہیں پسند۔ مانا ہم دونوں سے بڑی ہے لیکن آپا سے تو چھوٹی ہے اور اوپر سے حیات بھیا کو بھی کچھ بڑی جی لگتی ہے۔ لوتناؤ اتنی تم ہیر دین۔"

راہی نے ناک کھڑک کر کہا تو خانم کچھ سوچتی ہوئی اس کے ساتھ لگ کر آن بیٹھی۔

"چاچی حیدر کہہ رہی ہیں میری بیٹی (بھانجی) مستقل آگئی ہے میرے پاس اور ہورے مستقل ہی رہ جائے۔ تمہیں ان کی اس بات کی کیا سمجھ آئی راہی؟"

"کیا کہو اس تک چڑھے قسم کر لے گا ویاہ کر دیں گی اس سے۔ دیکھنا!"

"قسم بھائی مانے گا کیا۔ مجھے تو نہیں ملے۔ اس کے تو ظن ہی بہت ہیں!"

"وہ مانے نامانے اس کی اماں کے بھی ایک سوا یک ٹھن ہیں۔ لیکن اصل بات سوچنے کی یہ ہے کہ سنہری بھلا مستقل ادھر ہی کیوں آئی ہے۔ دیکھ خانم سوچنے کی بات ہے کہ اس کے مانے چاہے سب جھوٹے جاتے ہیں۔ اس کی بڑی بہن بھی ملکوں کی نوہ ہے اور اسے پاس بھی بلاتی رہی ہے لیکن اسے ادھر ہی آکر رہنے کا چا کیوں چاہا ہوا ہے۔"

راہی پر اندھ پست سے آگے لا کر اس کے ٹل کھول کر دوبارہ گوندھتے ہوئے گہرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ خانم اس کے تذبذب کی پیشہ سے قائل تھی۔ اس وقت بھی اسے سناڑی دھن کی اپنا پر اندھ بھی آگے ڈال کر اس کے ٹل کھولتی بولی۔

"ہو سکا ہے حیدر چاچی نے زبردستی کی ہو۔ اماں کہہ رہی ہیں حیدر چاچی کا بڑا پیا تھا اپنی بہن سے۔ اس کی نشانی سمجھ کے پاس بلالیا ہوا!"

"تو یہ نشانی اپنی حویلی میں سجائیں یا۔ سارے میں بھڑکتی پھرتی ہے۔ لکھ لے خانم کوئی جن جڑ جائے گی۔ یہ۔ شکل سے ہی خاصی تیز لگتی ہے۔ دیکھتی ایسے ہے جیسے سالم لنگل کے اگل دے گی۔ آؤ آؤ آؤ!"

رانی نے سرسراتے لہجے میں بات مکمل کر کے آخر میں اچانک ایک لپٹ کی تو خانم البرہ نے سے دونوں ہاتھوں کی تالی بجائی گھنٹوں پہنچ گئی۔ رانی بھی اس کے اوپر گرتی ہنسنے لگی۔ ان کی نوخیز ہنسی فضا میں سرگمیرنے لگیں۔ ان کو روک اچانک سنہری کے سامنے آنے سے لگی۔ دونوں یکدم گھبرا کر گھڑتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔ رانی کسی سے ڈرتی نہیں تھی لیکن اتنی بھی پر اعتماد نہیں تھی کہ کسی کی برائی اس کے منہ پر کر سکے۔ سنہری کی بنا پلکوں والی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں سرسواتا تھا لیکن ہونٹوں پہ تالوئی مسکراہٹ۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں یہ لگتا ہے کسی کا ماس کھا رہی ہو دونوں۔ بڑی شوقین لگتی ہو!"

اس کی عجیب و غریب توجیہ پر دونوں نے نا سمجھی سے اسے دیکھا اور جب کچھ میں آئی تو رانی تو رانی خانم کے ہاتھ سے بھی مل گئیاں ہو گئی۔

"ہم کسی کی چٹکی نہیں کر رہے تھے سنہری۔ اور یوں طعنہ دینے سے پہلے یہ بھی ذہن میں رکھ لیتی کہ اوروں کا جیس کرنا بھی منع ہے!" رانی کا چہرہ تہمتا اٹھا تھا۔

"ہائے اللہ! رانی میری بہن۔"

سنہری یکدم پشیمند بن گئی۔ اس کے قریب آئی اور اس کا کندھا تھامنا چاہا لیکن رانی جھٹک گئی۔ سنہری بائیں گال سے مسکرائی اور اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں پٹپٹاتی ہوئی بولی۔

"غصہ نہیں کرو میری بہن۔ اس کا نقصان صرف تمہیں ہوگا۔ میں نے کب کہا کہ تم نے چٹکی کی۔ یہ تو تم خود بولیں۔ میں نے تو یہ بھی نہیں کہا کہ فیتہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اپنے بھائی کا

گوشت کھانے والا۔ تم اپنی طرف سے لکھ لے کو تو میرا کیا تصور؟"

انتہائی سفید رنگت۔ ہلکے سنہری بال اور بنا پلکوں کے چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ رانی کو وہ اس قدر مکار لگی کہ چند لمحوں کی زبان گنگی رہ گئی۔ وہ کہہ بھی نہ سکتی تھی کہ کب کب بھی لگی تھی اور سکون سے دوبارہ پھر کہہ گئی تھی۔ خانم نے ہم ناراضی سے چہرہ موز کر جبرے کی طرف کر لیا اور بلاوجہ آسمان پہ تیرتے بادل دیکھنے لگی۔ سنہری نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں آسمان دیکھا اور دوپٹے کا پلچٹکتی واپس مڑتی ہوئی بولی۔

"کسٹور نے چائے اور پکڑے بیجے تھے۔ ٹرے پہلی سیڑھی پہ پڑی ہے۔ کب کی پڑی ہے اٹھا لیتا۔ شہنشاہ موسم میں شہنشاہ چائے پکڑوں کا اپنا ہی سواد ہے۔ میں سیکینہ ماسی کی طرف جا رہی ہوں۔ چوہدری حیات کہہ رہا تھا یہیں چائے پی لو آ کر۔ چلتی ہوں۔ تم لوگ کھاؤ۔"

"شہادت کی انٹی منہ میں دبا کر خاموش ہوئی اور پھر بولی۔ "ارے بابا پکڑے کہہ رہی ہوں ماس نہیں کہا!"

مدرہ میں مسکان سجا کر وہ واپس ہوئی۔ گنگ سی خانم اور رانی اس کی پشت پہ جھولتا شیشوں جڑا پراندہ دیکھ رہی تھیں جسے بالوں میں ڈالنے کی اجازت ان کی حویلی میں کنواری لڑکیوں کو نہیں تھی لیکن وہ سنہری بھی۔ رانی کا سانس مارے طیش کے دھوگی کی طرح چل رہا تھا۔ سنہری سیڑھیوں کے پاس جا کر ٹنگا ہوں سے اوجھل ہو گئی۔ رانی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"سنہری سانپ!"

☆☆☆

چوہدری آفتاب ابھی ابھی زمینوں سے لوٹے تھے۔ موسم اچھا ہو رہا تھا تو وہ بھی کچھ دیر کو گھر چلے آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے پھوار بڑی شروع ہوئی تھی۔ یہ آسمان کے موسم دل کی کوئی

رنگ پکڑے ہوئے ہیں۔ ان کی سرخی، برقی، سردی سب دل پہ اثر انداز ہوتی ہے۔ سہانا موسم طبیعت کے بوجھل پن کو کم کرنے میں بے حد کارگر ہے۔ چوہدری آفتاب کا دل بھی چوہدری شہاب الدین کی باتوں کی وجہ سے کئی دن سے بوجھل اور بچھا بچھا سا تھا۔ گو کہ وہ محسوس نہیں کروا رہے تھے لیکن خود تو کرتے تھے۔ بھائیوں کی سچ روئی کے وہ بچپن سے عادی تھے لیکن ماں باپ کی زندگی میں اتنا ذہن سے سوار نہیں کرتے تھے پر اب کچھ عرصے سے جیسے دل نے ڈکھنے کا عہد باغھا تھا۔ بات بات پہ تکلیف میں آ جاتا تھا۔ تھا تو انسان کا ناتو وہ بھی کب تک بے حس رہ سکتے تھے۔ کبھی بکھار خود کو بہت اکیلا محسوس کرتے رہتے ہی ان کے پیچھے جیسے بازو دین جاتے تھے۔ انکس علم تھا کہ شہاب الدین اس بات کی بنا پر بھی ان سے خار کھاتے تھے کہ ان کی اولاد باپ سے زیادہ اپنے چاچے کا دم بھرتی ہے لیکن یہ تو تختوں کا انجاز تھا جو سوکھ کو ہرا کر دینے سے قادر ہے۔

چوہدری آفتاب حویلی میں داخل ہوئے تو رقیہ ملازماؤں کے ساتھ گندم کی چھٹائی کروا رہی تھیں۔ وہ سیدھا نکلنے چلے گئی اور اپنے کمرے میں آ کر چوڑی اور لٹھے کی چادر اتار کر کٹھا رہا۔ ریکی۔ پٹنگ۔ لیتے ہی رقیہ اندر چلی آئیں۔ انہوں نے پہلے تو آگے بڑھ کر چھت والا پٹکھا چلایا اور پھر شوہر کی طرف آئیں۔

"کیا چوہدری جی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ یوں بنا سلام دعا لیے اندر آ گئے۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟" وہ پریشان سی چلتے ہوئے ان کے پیروں کے پاس آگئی تھیں اور پیر اٹھا کر گود میں رکھے، نرم ہاتھوں سے دبانے لگیں۔ چوہدری آفتاب نے سکون سے آنکھیں موندے جواب دیا۔

"بس دل کیا اپنی بیگم کے ہاتھ کے چائے پکڑے کھانے کا تو گھر چلا آیا۔ تم کہتی ہو تو واپس ہو جاتا ہوں۔"

وہ شرارنا مسکرائے۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ "حد کرتے ہیں آپ بھی۔ میں کیوں کہوں گی بھلا۔ اللہ آپ کے قدموں سے میری حویلی آباد رکھے۔ مجھے تو بس آپ کی پریشانی کا خیال تھا۔"

"پریشان نہیں ہوں رقیہ، بس سوچوں میں کچھ اہوں۔ بھر جانی نے اس دن کشور کے ہاتھ میں سگن ڈال دیا تھا۔ بھاشاب کو اب تک پکڑ چکا ہوگا۔ وہ اس رشتے پہ اتنے آرام سے بھی نہیں مانیں گے۔ اور مجھے اپنی بیوی عزیز ہے رقیہ، میں نہیں چاہتا کہ وہ جس گھر بیاہ کر جائے وہاں کی ایک کے دل میں بھی اس کے لیے سہل ہو!"

انہوں نے بلاخود کی بات بیوی سے کہہ دی تھی۔ رقیہ ان کے چہرے کی انکھیں کا نرمی سے مساج کرتے ہوئے مسکرائیں اور بولیں۔

"ہماری کشور بڑے گھون والی ہے چوہدری جی۔ اور بھائی شہاب کی باتوں سے پریشان نہ ہوں۔ میری بھر جانی سیکینہ سے بات ہوئی تھی انہوں نے کہا حیات کی مرضی ہی اصر ہے اور وہ اپنے چتر کی مرضی کے بنا کہیں بھی اس کا متنا نہیں جوڑیں گی۔ بانی روئی بھائی شہاب کی بات تو مرد کون سا سارا دن حویلیوں میں ہوتے ہیں چوہدری جی۔ عورت نے بھائی تو ساس مندوں کے ساتھ ہوتی ہے اور بھر جانی سیکینہ تو بہت سیانی عورت ہے۔ وہ سب سنبھال لے گی۔ آپ دل سوڑانا کریں۔ سچ پوچھیں میرے دل کو تو بہت سلی اور خوشی ہے اس دن کی۔ میری بھئی انہوں میں نظروں کے سامنے رہے گی، من چاہی ہوگی اور کیا چاہے ہمیں بھلا۔ بانی باتیں وقت کے ساتھ مک مکا جاتی ہیں۔ آپ فکریں نہ بانی!"

رقیہ کی باتیں اور انکھوں کا لکس ان کی روح تک کو ہر شاعر کر رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں کا جادوئی لکس یوں ہی ان کی ساری جھکن چن لیا کرتا تھا۔

"زمین والا معاملہ میرے دل میں گڑ گیا ہے رقیہ۔ بھائی شہاب نے تو مجھے اس زمین پر نظر ہی گاڑ لی ہے۔ اور وہ کمزور نہیں نکال دے۔ عداوت پال لیتا ہے۔ کل کو ان تازک رشتوں میں زمین ہی دراڑ نہ پیدا کر دے!"

ان کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔ رقیہ کے ہاتھ ایک بل کو تھمے لیکن پھر اسی انہماک سے اٹھ کھڑی ہو کر حرکت دیتے ہوئے بولیں۔

"ایک بات بتائیں چوہدری جی۔ یہ جو اس زمین نے اتنا جھگڑا ڈالا ہوا ہے آپ دے کیوں نہیں دیتے۔ میں تو کہتی ہوں کشور کو جہنم میں دے دیں۔ زمین ہماری بنی کے پاس بھی رہے گی اور بھائی شہاب کا گھر بھی روز ہو جائے گا۔"

رقیہ کی بات مکمل ہوتے ہی چوہدری آفتاب نے ایک جھٹکے سے اپنے بھران کے ہاتھوں سے چھڑو لے اور اٹھ کر سیدھے ہو بیٹھے۔ ان کا چہرہ غصہ اور ضبط کی شدت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ رقیہ گھبرا گئیں اور کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے لیکن چوہدری آفتاب نے ہاتھ کھڑا کر دیا۔

"میں نے ساری زندگی اسے بھائیوں کے ساتھ اپنی نبی نہیں کی رقیہ۔ یہ بھائی شہاب کی زندگی میں بھائی شہاب نے نبی کے پار والی زمین کا رولا ڈالا، میں نے پتھر چل چل کر اکیسے زمین اگلے دن ان کے نام لکوا دی تھی۔ لیکن یہ زمین کا ٹوٹا میرے ابا جی اور اماں جی کی امانت ہے۔ یہاں ابا جی کی وصیت کے مطابق مسجد اور مدرسہ ہی بنے گا اور بھائی شہاب یہ بات اچھی طرح جانتا ہے لیکن لالچ نے اسے اتا کیا ہوا ہے۔ زمین زمین کرتے اس زمین کو بھولا ہوا ہے جس میں سناٹا ہے۔ میں نے اپنے ماں بپو کو منہ دکھانا ہے رقیہ۔ میں اس زمین کا ایک سوتر بھی کسی کو نہیں دوں گا۔ بھلے وہ میری دمی کا رشتہ لے یا نہ لے۔ نصیب میرے رب سوچے نے لکھے ہیں بھائی شہاب نے نہیں۔ اگر کشور کا نصیب حیات سے جڑا ہے تو

ہونا ہی ہوتا ہے۔ اور اگر نہیں تو میں اپنی ساری زمین جائیداد بھئی چوہدری شہاب الدین کے حوالے کر دوں گا تا تو نہیں ہو گا۔ اس لیے دوبارہ ایسی بات نہ کرنا مجھ سے۔ میرے مرے ماں بپو کی وصیت کا سودا نہیں کروں گا میں۔"

چوہدری آفتاب بے حد جذباتی ہو گئی تھے۔ ان کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔ رقیہ نے بڑی نرمی اور چاہت سے ان کا بازو سہلایا اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولیں۔

"جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا چوہدری جی۔ فکر ہی نہ کریں۔ میں بھلا کب آپ کی مرضی سے ہٹ کر چلی ہوں۔ آپ دیکھی نہ ہوں۔ آرام کریں میں ابھی آپ کے لیے گرم گرم پکڑے اور چائے لے کر آئی۔ کشور نے بتائی ہوگی اب تک۔"

کہتے ساتھ ہی رقیہ نے جھڑپنگ سے اتارے۔ چپل پہنی اور بجلت میں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

چوہدری آفتاب نے دوبارہ کمر فیک کر آنکھیں موند لیں۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ جلد از جلد اس زمین پر مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع کرادیں گے تاکہ بھائی شہاب کی نظر اس سے ہٹ جائے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جن کی نظروں نے لالچ اور حرص کی چوٹی چڑھی ہو تو وہ حرم پاک کی دلہیز پہ بھی وار کرنے سے نہیں چوکتے!

☆☆☆

مہتاب راؤ کی حویلی کے ہال کمرے میں اس وقت قاسم راؤ کی غرائیں گونج رہی تھیں۔ وہ شدید نفرت اور اشتعال کے زیر اثر پھنکار رہا تھا۔ حمیدہ بی بی اپنے کھنڈے ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ سخت یہ ٹانگیں نیم پیارے وہ ایک ہاتھ میں جتنے کی نے تھامے دوسرے سے اس کی خالی ہونی چلم چانچ رہی تھی۔

"شیداں۔ اسے شیداں یہ حقہ لے جا اور پھر کے لا اسے۔ خیر باز کہا ہے کہ دھیان رکھ لیا کرو اپنے آپ ہی۔ لیکن مرن جو گیاں ہوش ہی نہیں کر میں!"

ایک طرف سے دروازے میں سے جوان ملازمہ بھائی جلی آئی اور جلدی سے حقہ لے جانے لگی۔

"اچھی طرح بھر کے لا اور سن تھوڑا سا گڑ بھی رکھ لا۔" حمیدہ بی بی نے حقہ لے جاتی رشیدہ سے کہا۔ وہ سر ہلاتی جانے لگی تو دوبارہ پکار کر بولیں۔

"اور جبر وار جو نے کو منہ لگایا تو۔ منہ من (توڑ) دوں گی۔ سب پتا ہے مجھے تیرے تماشوں کا۔ کم ذات جو غصا کر لالی ہے حقہ۔"

جواب شیداں زبان دانتوں میں دیتی کھیانی سی دیاں سے ٹھککتی۔ قاسم راؤ مسلسل ٹھٹھا ماں کو خشکیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ ایک بل کو ٹھہرا اور بولا۔

"ادھر میں اس وقت سے بکواس کر رہا ہوں اور تجھے اپنے حقے کی پڑی ہے اماں۔ میں کہہ رہا ہوں مجھے کشور اور حیات کا رشتہ منکھور نہیں ہے اور تو دھیان ہی نہیں دے رہی۔ ثوبات کر جا کے چاہے آفتاب سے میرے لیے۔"

وہ متھتا ہوا سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھ گیا اور حسی لہجے میں بولا۔ حمیدہ بی بی نے ٹانگیں سینٹے ہوئے جوان پتر پہ اپنی نگاہ ڈالی اور گاؤں کے نیچے ہاتھ مار کر دو میں چھالے نکال کر پھانکتے ہوئے بولیں۔

"کس دن تو نے چاہے کے ساتھ سیدھی تند ڈالی ہے جو اتنے دھڑلے سے کشور کا رشتہ مانگ لوں اور پھر بھر جاتی سیکنہ بات کر چکی ہے وہ بھی مجھے میں۔ مجھے یہ چالاکی نہیں سوجھی اور نہ کروئی لیکن کیسے ثواب تو مجھے بتا رہا ہے کہ تجھے کشور پسند ہے۔ میرا تو دماغ ہی بولا کر دیا ہے قاسم ٹوٹے۔ میں سنہری کو بلا کے بیٹھی ہوں

تیرے لیے اور ٹوٹو لچ تلنے لگا ہے!" حمیدہ بی بی نے بھی لگی لگی رکھے بتا دیا تو ز کہہ ڈالیں۔ قاسم سیدھا ہوا اور تھوڑا آگے ہو کر بیٹھتا ماں کے قریب چہرہ لایا۔

"اماں تجھے کس نے کہا ہے کہ میرا دل آگیا ہے کشور۔ ہاں سوئی بے شک رنج کے ہے لیکن میں اتنا ٹھہرا ہوا نہیں ہوں کہ اس کے علاوہ چوہدری قاسم کو کوئی ملے گی نہیں۔ لیکن کشور کے ساتھ شادی کر کے مجھے وہ زمین چاہیے جس پر پتایا شہاب نظر کر گاؤں کے بیٹھا ہے!"

قاسم راؤ کے لہجے میں اپنی برتری کا زعم بول رہا تھا۔ وہ سوچوں کو تاؤ دتا حمیدہ بی بی کو بہت پیارا لگا۔ فوراً واری صدقے ہوتے ہوئے بولیں۔ "میرا شہزادہ میرا سونہرا۔ اک کشور کیا۔ لکھاں کشور میں تیرے لیے حویلی لکھاں میں لے آؤں۔ لیکن کھانا بھی بھر جانی بات کر چکی ہے۔ ٹو دعا کر کہ عہد شہاب نامانے تو کچھ کشور تیری۔"

"اور اگر تیا مان گیا تو؟" قاسم اندیشوں میں گھرا تھا۔

"تو پھر سنہری کے لیے مان جانا پتر۔ دیکھ میری بیوی تیرے دوسرے ہے اس کا بھی کون آسرا ہے میرے بغیر۔ تو اس سے دیاہ کرے گا تو دب کے رہے گی۔ سوچ ناؤ رانہ آگے نہ بھیجے۔ زمین بھی ہے اس کے نام۔ کلامون کرے گا میرے بچے!"

"ہرگز نہیں اماں۔ زہر لگتی تھی تیری بیوی۔ پرے واڑ اسے کہیں۔" چوہدری قاسم تاؤ کھاتا گھڑا ہو گیا۔

مجھے کشور سے دیاہ کرانا ہے نہیں تو خانم کے سیانے ہونے کا انتظار کروں گا۔ برویاہ تو چاہے آفتاب کی ہی کسی کڑی سے کروں گا میں۔ سنہری کی زمین کے لالچ نہ دے مجھے۔ وہ پنڈ کے پنڈ لے آئے ساتھ لیکن جو زمین چاہے آفتاب کے پاس ہے اس کا تجھے اندازہ نہیں۔ اس لیے دوبارہ نام نہ لینا اپنی اس بیوی کا!"

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز رہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM